اسلامی اصول کی فلاسفی

یا

اسلام اور اسکی حقیقت

یعنی تقریر حضرت حجۃ اللہ میرزا غلام احمد صاحب
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام جسکو
جلسہ مذاہب عظم مہوتسو لاہور میں مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے
پڑھکر سنایا + اور اس میں حکیم الامۃ حضرت مولانا نورالدین صاحب
کی تقریریں اور حضرت میر ناصر نواب صاحب کی نظم بھی شامل کیگئی ہیں
جو انھوں نے جلسہ مذکور میں سنائیں

مطبع ضیاء الاسلام قادیان دار الامان میں مع لوی حکیم
فضل الدین صاحب کے اہتمام سے چھپکر شائع ہوئی

ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۵ء   قیمت ۴ر   تعداد ۴۰۰

www.aaiil.org

کتب مندرجہ ذیل اور کتب مندرجہ صفحات ۱۰۲ و ۱۰۳ و ۱۰۴ ارسال زر نقد یا بذریعہ وی پی حکیم فضل دین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان ضلع گورداسپور سے مل سکتی ہیں

[illegible]

فہرست کتب مطبوعہ مصر وغیرہ

قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب
ے	کشف الاسرار۔ للبزدوی۔ یہ عظیم الشان کتاب دو جلد توضیح تلویح کی ماں ہے علم اصول فقہ میں ہے	عہر	شفاء الاسقام فی زیارة قبر خیر الانام (للسبکی)
۸/	کتاب الفتوح فی معرفة الروح۔	۱۲/	قصص الانبیاء۔ ثعلبی۔ یعنی عرائس المجالس۔
ے	جوہرہ علی قدوری فقہ حنفی ہے۔	عمر	شرح تہذیب الکلام۔ تہذیب المنطق (جو مشہور کتاب ہے) کا دوسرا حصہ علم عقائد میں ہے۔ اس متن کی شرح کا مجموعہ ہے
۱۳/	شرح اصول اکبری۔ صاحب فصول الاکبری نے خود اپنی کتاب کی شرح لکھی ہے	۶/	شرح اجہوری علی بیقونیہ فی مصطلح الحدیث
۸/	(ابن القیم کی تصنیفات) اجتماع الجیوش۔ مسئلہ صفات باری پر عمدہ بحث ہے	۹/	بحرق علی الامنیة الافعال۔ حریری کے متن پر جو نحو میں ہے اسکی عمدہ یہ شرح ہے۔
	جلاء الافہام فی الصلوٰة علی النبی خیر الانام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کے متعلق عجیب و غریب نکات لکھے ہیں	۴/	دقائق الاخبار۔
		۱/-	حاشیة الخیالی علی تفتازانی۔ فی العقائد
۳/	فوز الکبیر مع فتح الخبیر فی علوم اصول التفسیر۔	عہ	کتاب المسائرہ شیخ ابن ہمام کی کتاب عقائد میں ہے۔ ابن ہمام حنفیہ میں بڑے پایہ کے ہیں۔
ے	شروح التلخیص۔ یہ مجموعہ علم معانی و بیان کیلیے کافی شروح کا ہے	عاار	جامع صغیر۔ امام سیوطی نے اپنی بڑی کتاب کنز العمال کا مختصر کیا ہے
ے	شروح اربعہ ترمذی دو جلد ضخیم۔ اصل کتاب ترمذی کی تصنیف شروح دو مجلد ضخیم میں ہے اصل کتاب کی قیمت ۱۲ ہے مدرسہ تعلیم الاسلام فائدہ عام کیلیے دونوں جلد کی قیمت کم کر دی ہے	۶/	شرح بیجوری علی جواہر التوحید۔ یہ علم عقائد کی کتاب ہے
ے	ابو القاسم حاشیہ مطول۔		
	جامع العلوم والحکم۔ یہ نہایت ہی پسندیدہ اور عجیب و غریب کتاب اربعین نووی کی یعنی چہل حدیث امام نووی کی اور دس حدیثیں اس سے زائد کی عظیم الشان شرح ہے۔ قیمت ۶/۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ یہ شیخ الاسلام ابن قیم کی بے نظیر یادگار ہے جس میں مشکلہ مسائل پر دقیق نظر سے مباحثہ ہے دو جلد ضخیم میں یہ کتاب ہے قیمت عہ ان کتابوں کو ... شرح حدیث النزول اور شرح اصول اکبری چھپوا گیا ہے نیز مدرسہ	۶/	تہافة الفلاسفہ۔ امام غزالی۔ فلاسفہ کے رد میں ہے
		۱۰/	تنبیہ الغافلین۔ وعظ کی کتاب ہے
		۱۰/	قرة الناصحین
		۷	شرح تحریر ابن ہمام۔ یہ تحریر علم اصول فقہ میں مسلم الثبوت کی گویا ماخذ ہے اس کی بسیط شرح ہے
		۸/	شیخ عطار۔ علی ایساغوجی۔
		۱۰/	النثر والنظم

... معلوم ہوگا نیز محیط اعظم ایک مفردات ادویہ کی کتاب مدرسہ کو بہت ارزاں مل سکتی ہے اگر احباب توجہ کریں تو خرید کی جاوے ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام

اس عنوان کے نیچے ہم اس عظیم الشان مضمون کو درج کرینگے جو حضرت میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کی طرف سے جلسۂ اعظم مذاہب پر جو دسمبر ۱۸۹۶ء مین منعقد ہوا تھا پڑھا گیا۔ اس کانفرنس کے محرکون کی طرف سے مفصلہ ذیل پانچ سوال اس غرض کے لیئے شایع ہوئے تھے کہ مختلف مذاہب کے علماء ان کے جوابات اپنے اپنے مذہب کے رو سے اس جلسہ مین پیش کرین۔

(۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتین۔
(۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنے عقبےٰ۔
(۳) دنیا مین انسان کی ہستی کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب۔
(۴) کرم یعنے اعمال کا اثر دنیا و عاقبت مین۔
(۵) علم یعنے گیان اور معرفت کے ذرایع اور وسیلے۔

اسلام

مضمون عالیجناب حضرت میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

جس کو مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے
بمقام لاہور جلسہ اعظم مذاہب دھرم مہوتسو مین ۲۷ دسمبر ۱۸۹۶ء
کو کھڑے ہو کر سنایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

آج اِس جلسہ مبارک مین جس کی غرض یہ ہے کہ ہر ایک صاحب جو بلائے گئے ہین سوالات مشتہرہ کی پابندی سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیان بیان فرماوین مین اسلام کی خوبیان بیان کرونگا اور اس سے پہلے کہ مین اپنے مطلب کو شروع کرون اس قدر ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہون کہ مین نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ جو کچھ بیان کرون خدا تعالےٰ کے پاک کلام قرآن شریف سے بیان کرون کیونکہ میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی کتاب کا پابند ہو اور اس کتاب کو ربانی کتاب سمجھتا ہو وہ ہر ایک بات مین اسی کتاب کے حوالے سے جواب دے اور اپنی وکالت کے اختیارات کو ایسا وسیع نہ کرے کہ گویا وہ ایک نئی کتاب بنا رہا ہے۔ سو چونکہ آج ہمین قرآن شریف کی خوبیون کو ثابت کرنا ہے اور اس کے کمالات کو دکھلانا ہے اس لیئے مناسب ہے کہ ہم کسی بات مین اس کے اپنے بیان سے باہر نہ جاوین اور اسی کے اشارہ یا تصریح کے موافق اور اسی کی آیات کے حوالے سے ہر ایک مقصد کو تحریر

دعویٰ اور دلیل الہامی کتاب سے ہونا ضروری ہے

کریں تا ناظرین کو موازنہ اور مقابلہ کرنے کے لیئے آسانی ہو اور چونکہ ہر ایک صاحب جو پابند کتاب ہین اپنی اپنی الہامی کتاب کے اسکے پابند رہین گے اور اسی کتاب کے اقوال پیش کرین گے اس لیئے ہم نے اس جگہ احادیث کے بیان کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ تمام صحیح حدیثین قرآن شریف سے ہی لی گئی ہین اور وہ کامل کتاب ہے جس پر تمام کتابون کا خاتمہ ہے۔ غرض آج قرآن کی شان ظاہر ہونے کا دن ہے اور ہم خدا سے دعا مانگتے ہین کہ وہ اس کام مین ہمارا مددگار ہو۔ آمین۔

سوال اول کا جواب

معزز ناظرین کو خیال رہے کہ اس مضمون کے ابتدائی صفحون مین بعض تمہیدی عبارتین ہین جو بظاہر غیر متعلق معلوم دیتی ہین مگر اصل جوابات کے سمجھنے کے لیئے پہلے ان کا سمجھنا نہایت ضروری ہے اس لیئے صفائی بیان کے لیئے قبل از شروع مطلب ان عبارتون کو لکھا گیا کہ تا اصل مطلب سمجھنے مین وقت نہ ہو۔

اقسام حالات ثلثہ انسانی

اب واضح ہو کہ پہلا سوال انسان کی طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتون کے بارے مین ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ خدا تعالے کے پاک کلام قرآن شریف نے ان تین حالتون کی اس طرح پر تقسیم کی ہے کہ ان تینون کے لیئے علیحدہ علیحدہ تین مبدء ٹھہرائے ہین۔ یا یون کہو کہ تین سرچشمے قرار دیئے ہین جن مین سے جدا جدا یہ حالتین نکلتی ہین۔

پہلا نفس امارہ

پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتون کا مورد اور مصدر ہے اس کا نام قرآن شریف نے نفس امّارہ رکھا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ یعنے نفس امارہ مین یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جو اس کے کمال کے مخالف اور اس کی اخلاقی حالتون کے برعکس ہے جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بد راہون پر چلانا چاہتا ہے۔ غرض بے اعتدالیون اور بدیون کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اس پر طبعاً غالب ہوتی ہے اور یہ حالت اس وقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جب تک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہین چلتا بلکہ چارپایون کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکھلانے وغیرہ امور مین طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتون مین تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکھتا ہے اسوقت ان تینون حالتون کا نام طبعی حالتین نہین رہتا بلکہ اس وقت یہ حالتین اخلاقی حالتین کہلاتی

ہین جیساکہ آگے بھی کچھ ذکر اس کا آئے گا۔

اور اخلاقی حالتونکے دوسرے سرچشمہ کا نام قرآن شریف مین نفس لوّامہ ہے جیساکہ قرآن شریف فرماتا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ یعنے مین اس نفس کی قسم کھاتا ہون جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئین ملامت کرتا ہے یہ نفس لوّامہ انسانی حالتون کا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتین پیدا ہوتی ہین اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے اور اس جگہ نفس لوّامہ کی قسم کھانا اس کو عزت دینے کے لیئے ہے گویا وہ نفس امّارہ سے نفس لوامہ بن کر بوجہ اس ترقی کے جناب الہی مین عزت پانے کے لایق ہوگیا اور اس کا نام لوّامہ اس لیئے رکھا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہین ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم مین شتر بے مہار کی طرح چلے اور چارپایون کی زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتین اور اچھے اخلاق صادر ہون اور انسانی زندگی کے تمام لوازم مین کوئی بے اعتدالی ظہور مین نہ آوے۔ اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشین عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہون۔ پس چونکہ وہ بری حرکت پر ملامت کرتا ہے اس لیئے اس کا نام نفس لوّامہ ہے یعنے بہت ملامت کرنے والا۔ اور نفس لوّامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہین کرتا بلکہ اپنے تئین ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیون کے بجالانے پر پورے طور سے قادر بھی نہین ہوسکتا اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اس پر غلبہ کرجاتے ہین تب گرجاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرنا نہین چاہتا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے گرتا ہے۔ پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے۔ غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے طور پر غالب نہین آسکتا۔

پھر ایک تیسرا چشمہ ہے جس کو روحانی حالتون کا مبدء کہنا چاہیئے۔ اس سرچشمہ کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے۔ يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ یعنے اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پاگیا اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس میرے بندون مین مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس مین نفس تمام کمزوریون سے نجات پاکر روحانی قوتون سے بھرجاتا ہے اور خدا تعالے سے ایسا پیوند کرلیتا ہے کہ بغیر اس کے جی بھی نہین سکتا اور جس طرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور بہ سبب اپنی کثرت کے اور نیز روکون کے دور ہونے سے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالے

فرماتا ہے کہ اے وہ نفس جو خدا سے آرام پا گیا اس کی طرف واپس چلا آ۔ پس وہ اسی زندگی میں نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا میں نہ دوسری جگہ ایک بہشت اس کو ملتا ہے اور جیسا کہ اس آیت میں لکھا ہے کہ اپنے رب کی طرف یعنی پرورش کرنے والے کی طرف واپس آ ایسا ہی اس وقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے اور خدا کی محبت اس کی غذا ہوتی ہے اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے اس لئے موت سے نجات پاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا یعنے جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بچ گیا اور نہیں ہلاک ہوگا مگر جس نے ارضی جذبات میں جو طبعی جذبات ہیں اپنے تئیں چھپا دیا وہ زندگی سے ناامید ہو گیا۔

غرض یہ تین حالتیں ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتیں کہہ سکتے ہیں اور چونکہ طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات اخلاق اور روحانیت کا ستیاناس کر دیتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ کی پاک کتاب میں ان کو نفس امارہ کی حالتوں سے موسوم کیا گیا۔ اگر یہ سوال ہو کہ انسان کی طبعی حالتوں پر قرآن شریف کا کیا اثر ہے۔ اور وہ اُن کی نسبت کیا ہدایت دیتا ہے اور عملی طور پر کس حد تک اُن کو رکھنا چاہتا ہے تو واضح ہو کہ قرآن شریف کے رو سے انسان کی طبعی حالتوں کو اس کی اخلاقی اور روحانی حالتوں سے نہایت ہی شدید تعلقات واقع ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کے کھانے پینے کے طریقے بھی انسان کے اخلاقی اور روحانی حالتوں پر اثر کرتے ہیں اور اگر ان طبعی حالتوں سے شریعت کی ہدایت کے موافق کام لیا جائے تو جیسا کہ نمک کی کان میں پڑ کر ہر ایک چیز نمک ہی ہو جاتی ہے ایسا ہی یہ تمام حالتیں اخلاقی ہی ہو جاتی ہیں اور روحانیت پر نہایت گہرا اثر کرتی ہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کے اغراض اور خشوع خضوع کے مقاصد میں جسمانی طہارتوں اور جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکھا ہے اور غور کرنے کے وقت یہی فلاسفی نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت قوی اثر ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے طبعی افعال گو بظاہر جسمانی ہیں مگر ہماری روحانی حالتوں پر ضرور ان کا اثر ہے مثلاً جب ہماری آنکھیں رونا شروع کریں اور گو تکلف سے ہی روویں مگر فی الفور ان آنسوؤں کا ایک شعلہ اُٹھ کر دل پر جا پڑتا ہے۔ تب دل بھی آنکھوں کی پیروی کر کے غمگین ہو جاتا ہے ایسا ہی جب ہم تکلف سے ہنسنا شروع کریں تو دل میں بھی ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ

جسمانی سجدہ بھی روح مین خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کرتا ہے اس کے مقابل پر ہم یہ بھی دیکھتے ہین کہ جب ہم گردن کو اونچی کھینچکر اور چھاتی کو ابھار کر چلین تو یہ وضع رفتار ہم مین ایک قسم کا تکبر اور خود بینی پیدا کر لی ہے تو ان نمونون سے پورے انکشاف کے ساتھ کھلجاتا ہے کہ بے شک جسمانی اوضاع کا روحانی حالتون پر اثر ہے۔

ایسا ہی تجربہ ہم پر ظاہر کرتا ہے کہ طرح طرح کی غذاؤن کا بھی دماغی اور دلی قوتون پر ضرور اثر ہے۔ مثلاً ذرہ غور سے دیکھنا چاہیئے کہ جو لوگ کبھی گوشت نہین کھاتے رفتہ رفتہ ان کی شجاعت کی قوت کم ہو جاتی ہے یہان تک کہ نہایت دل کے کمزور ہوجاتے ہین اور ایک خداداد اور قابل تعریف قوت کو کھو بیٹھتے ہین اس کی شہادت خدا کے قانون قدرت سے اس طرح پر بھی ملتی ہے کہ چارپایون مین سے جس قدر گھاس خور جانور ہین کوئی بھی ان مین سے وہ شجاعت نہین رکھتا جو ایک گوشت خوار جانور رکھتا ہے۔ پرندون مین بھی یہی بات مشاہدہ ہوتی ہے پس اس مین کیا شک ہے کہ اخلاق پر غذاؤن کا اثر ہے۔ ہان جو لوگ دن رات گوشت خواری پر زور دیتے ہین اور نباتی غذاؤن سے بہت ہی کم حصہ رکھتے ہین وہ بھی حلم اور انکسار کے خلق مین کم ہو جاتے ہین اور میانہ روش کو اختیار کرنے والے دونون خلق کے وارث ہوتے ہین اسی حکمت کے لحاظ سے خدا تعالے قرآن شریف مین فرماتا ہے۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنے گوشت بھی کھاؤ اور دوسری چیزین بھی کھاؤ۔ مگر کسی چیز کی حد سے زیادہ کثرت نہ کرو تا اس کا اخلاقی حالت پر بد اثر نہ پڑے اور تا یہ کثرت مضر صحت بھی نہ ہو اور جیسا کہ جسمانی افعال اور اعمال کا روح پر اثر پڑتا ہے ایسا ہی کبھی رُوح کا اثر بھی جسم پر جا پڑتا ہے۔ جس شخص کو کوئی غم پہونچے آخر وہ چشم پر آب ہو جاتا ہے اور جس کو خوشی ہو آخر وہ تبسم کرتا ہے جس قدر ہمارا کھانا پینا سونا جاگنا حرکت کرنا۔ آرام کرنا۔ غسل کرنا وغیرہ افعال طبعیہ ہین یہ تمام افعال ضروری ہماری روحانی حالات پر اثر کرتے ہین۔ ہماری جسمانی بناوٹ کا ہماری انسانیت سے بڑا تعلق ہے۔ دماغ کے ایک مقام پر چوٹ لگنے سے یک لخت حافظہ جاتا جاتا ہے اور دوسرے مقام پر چوٹ لگنے سے ہوش و حواس رخصت ہوتے ہین۔ وباء کی ایک زہریلی ہوا کس قدر جلدی سے جسم مین اثر کرکے پھر دل مین اثر کرتی ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ اندرونی سلسلہ جس کے ساتھ تمام نظام اخلاق کا ہے درہم برہم ہونے لگتا ہے یہان تک کہ انسان دیوانہ سا ہو کر چند منٹ مین گذر جاتا ہے غرض جسمانی صدمات بھی عجیب نظارہ دکھاتے ہین۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے

کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہین۔ اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت پر یہ دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوح کی ماں جسم ہی ہے۔ حاملہ عورتون کے پیٹ مین روح کبھی اوپر سے نہین گرتی بلکہ وہ ایک نور ہے جو نطفہ مین ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کے نشوونما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے۔ خدا تعالے کا پاک کلام ہمین سمجھاتا ہے کہ روح اس قالب مین سے ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے جو نطفہ سے رحم مین تیار ہوتا ہے جیساکہ وہ قرآن شریف مین فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ۔ یعنے پھر ہم اس جسم کو جو رحم مین تیار ہوا تھا ایک اور پیدایش کے رنگ مین لاتے ہین اور ایک اور خلقت اس کی ظاہر کرتے ہین جو روح کے نام سے موسوم ہے اور خدا بہت برکتون والا ہے اور ایسا خالق ہے کہ کوئی اُس کے برابر نہین۔

اور یہ جو فرمایا کہ ہم اسی جسم مین سے ایک اور پیدایش ظاہر کرتے ہین یہ ایک گہرا راز ہے جو روح کی حقیقت دکھلا رہا ہے اور ان نہایت مستحکم تعلقات کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو روح اور جسم کے درمیان واقع ہین۔ اور یہ اشارہ ہمین اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے جسمانی اعمال اور اقوال اور تمام طبعی افعال جب خدا تعالے کے لیئے اور اسکی راہ مین ظاہر ہونے شروع ہون تو اُن سے بھی یہی الٰہی فلاسفی متعلق ہے یعنے ان مخلصانہ اعمال مین بھی ابتدا ہی سے ایک روح مخفی ہوتی ہے جیساکہ نطفہ مین مخفی ..... تھی اور جیسے جیسے ان اعمال کا قالب تیار ہوتا جائے وہ روح چمکتی جاتی ہے اور جب وہ قالب پورا تیار ہو چکتا ہے تو یک دفعہ وہ روح اپنی کامل تجلی کے ساتھ چمک اٹھتی ہے اور اپنی روحی حیثیت سے اپنے وجود کو دکھا دیتی ہے اور زندگی کی صریح حرکت شروع ہو جاتی ہے جبھی کہ اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے معاً بجلی کی طرح ایک چیز اندر سے اپنی کھلی کھلی چمک دکھلانا شروع کر دیتی ہے یہ وہی زمانہ ہوتا ہے جس کی نسبت اللہ تعالے قرآن شریف مین مثالی طور سے فرماتا ہے فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ یعنے جب مین نے اُس کا قالب بنا لیا اور تجلیات کے تمام مظاہر درست کر لیئے اور اپنی روح اس مین پھونک دی تو تم سب لوگ اس کے لیئے زمین پر سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔ سو اس آیت مین یہی اشارہ ہے کہ جب اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے تو اس قالب مین وہ روح چمک اٹھتی ہے جس کو خدا تعالے اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے کیونکہ دنیوی زندگی کے فنا کے بعد وہ قالب تیار ہوتا ہے اس لیئے الٰہی روشنی جو پہلے دھیمی تھی یک دفعہ بھڑک اٹھتی ہے اور واجب ہوتا ہے کہ خدا کی ایسی شان کو

دیکھ کر ہر ایک سجدہ کرے اور اس کی طرف کھینچا جائے سو ہر ایک اس نور کو دیکھ کر سجدہ کرتا ہے اور طبعاً اس طرف آتا ہے بجز ابلیس کے جو تاریکی سے دوستی رکھتا ہے

روح کا مخلوق ہونا

پھر مین پہلی بات کی طرف رجوع کر کے بیان کرتا ہون کہ یہ بات نہایت درست اور صحیح ہے کہ روح ایک لطیف نور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو رحم مین پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اول مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے پھر نمایان ہو جاتا ہے اور ابتداءً اس کا خمیر نطفہ مین موجود ہوتا ہے بے شک وہ آسمانی خدا کے ارادہ سے اور اس کے اذن اور اس کی مشیت سے ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتھ نطفہ سے تعلق رکھتا ہے اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے نہین کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی جز ہے جیسا کہ جسم جسم کی جز ہوتا ہے مگر یہ بھی نہین کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے بلکہ وہ ایسا نطفہ مین مخفی ہوتا ہے جیسا کہ آگ پتھر کے اندر ہوتی ہے خدا کی کتاب کا یہ منشاء نہین ہے کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پھر کسی اتفاق سے نطفہ کے ساتھ مل کر رحم کے اندر چلی جاتی ہے بلکہ یہ خیال کسی طرح صحیح نہین ٹھہر سکتا۔ اگر ہم ایسا خیال کرین تو قانون قدرت ہمین باطل ٹھہراتا ہے ہم روز مشاہدہ کرتے ہین کہ گندے اور باسی کھانون مین اور گندے زخمون مین ہزارہا کیڑے پڑ جاتے ہین میلے کپڑون مین صدہا جوئین پڑ جاتی ہین۔ انسان کے پیٹ کے اندر بھی کدو دانے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہین۔ اب کیا ہم کہہ سکتے ہین کہ وہ باہر سے آتے ہین یا آسمان سے اترتے کسی کو دکھائی دیتے ہین سو صحیح بات یہ ہے کہ روح جسم مین سے ہی نکلتی ہے اور اسی دلیل سے اس کا مخلوق ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

روح کی دوسری پیدائش

اب اس وقت ہمارا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ جس قادر مطلق نے روح کو قدرت کاملہ کے ساتھ جسم مین سے ہی نکالا ہے اس کا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کی دوسری پیدائش کو بھی جسم کے ذریعہ سے ہی ظہور مین لاوے روح کی حرکتین ہمارے جسم کی حرکتون پر موقوف ہین جس طرف ہم جسم کو کھینچتے ہین روح بھی بالضرور پیچھے پیچھے کھنچی چلی آتی ہے اس لیئے انسان کی طبعی حالتون کی طرف متوجہ ہونا خدا تعالیٰ کی سچی کتاب کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتون کی اصلاح کے لیئے بہت توجہ فرمائی ہے اور انسان کا ہنسنا۔ رونا۔ کھانا پینا۔ سونا۔ بولنا۔ چپ ہونا۔ بیوی کرنا۔ مجرّد رہنا۔ چلنا۔ اور ٹھہرنا اور ظاہری پاکیزگی

غسل وغیرہ کی شرائط بجالانا اور بیماری کی حالت اور صحت کی حالت مین خاص خاص امور کا پابند ہونا ان سب باتون پر ہدایتین لکھی ہین اور انسان کی جسمانی حالتون کو رُوحانی حالتون پر بہت ہی مؤثر قرار دیا ہے۔ اگر ان حالتون کو تفصیل سے لکھا جائے تو مین خیال نہین کر سکتا کہ اس مضمون کے سنانے کے لیئے کوئی وقت کافی مل سکے۔

انسان کی تدریجی ترقی

مین جب خدا کے پاک کلام پر غور کرتا ہون اور دیکھتا ہون کہ کیون کر اس نے اپنی تعلیمون مین انسان کو اس کی طبعی حالتون کی اصلاح کے قواعد عطا فرما کر پھر آہستہ آہستہ اوپر کی طرف کھینچا ہے اور اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت تک پہونچانا چاہا ہے تو مجھے یہ پُرمعرفت قاعدہ یون معلوم ہوتا ہے کہ اول خدا نے یہ چاہا ہے۔ کہ انسان کو نشست برخاست اور کھانے پینے اور بات چیت اور تمام اقسام معاشرت کے طریق سکھلا کر اس کو وحشیانہ طریقون سے نجات دیوے اور حیوانات کی مشابہت سے تمیز کلی بخش کر ایک ادنےٰ درجہ کی اخلاقی حالت جس کو ادب اور شائستگی کے نام سے موسوم کر سکتے ہین سکھلاوے پھر انسان کی نیچرل عادات کو جن کو دوسرے لفظون مین اخلاق رذیلہ کہہ سکتے ہین اعتدال پر لاوے تا وہ اعتدال پا کر اخلاق فاضلہ کے رنگ مین آجائین مگر یہ دونون طریقے دراصل ایک ہی ہین کیونکہ طبعی حالتون کی اصلاح کے متعلق ہین صرف اعلےٰ اور ادنےٰ درجہ کے فرق نے ان کو دو قسم بنا دیا ہے اور اس حکیم مطلق نے اخلاق کے نظام کو ایسے طور سے پیش کیا ہے کہ جس سے انسان ادنےٰ خلق سے اعلےٰ خلق تک ترقی کر سکے۔

اور پھر تیسرا مرحلہ ترقیات کا یہ رکھا ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی محبّت اور رضا مین محو ہو جائے اور سب وجود اس کا خدا کے لیئے ہو جائے یہ وہ مرتبہ ہے جس کو یاد دلانے کے لئے مسلمانون کے دین کا نام اسلام رکھا گیا ہے کیونکہ اسلام اس بات کو کہتے ہین کہ بکلی خدا کے لیئے ہو جانا اور اپنا کچھ باقی نہ رکھنا جیسا کہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ ترجمہ۔ یعنے نجات یافتہ وہ شخص ہے جو اپنے وجود کو خدا کے لیئے اور خدا کی راہ مین

قربانی کی طرح رکھدے اور نہ صرف نیت سے بلکہ نیک کاموں سے اپنے صدق کو دکھلاوے جو شخص ایسا کرے اس کا بدلہ خدا کے نزدیک مقرر ہو چکا اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا اس خدا کے لیئے ہے جس کی ربوبیت تمام چیزوں پر محیط ہے کوئی چیز اور کوئی شخص اس کا شریک نہیں اور مخلوق کو کسی قسم کی شراکت اس کے ساتھ نہیں مجھے یہی حکم ہے کہ میں ایسا کروں اور اسلام کے مفہوم پر قائم ہونے والا یعنے خدا کی راہ میں اپنے وجود کی قربانی دینے والا سب سے اول میں ہوں۔ یہ میری راہ ہے سو آؤ میری راہ اختیار کرو اور اس کے مخالف کوئی راہ اختیار نہ کرو کہ خدا سے دور جا پڑو گے ان کو کہدے کہ اگر خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہو لو اور میری راہ پر چلو تا خدا بھی تم سے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ تو بخشندہ اور رحیم ہے۔

اسلام کی حقیقت

اب ہم انسان کے ان تین مرحلوں کا جدا جدا بیان کریں گے۔ لیکن اول یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ طبعی حالتیں جن کا سرچشمہ اور مبدء نفس امّارہ ہے خدا تعالے کے پاک کلام کے اشارات کے موافق اخلاقی حالتوں سے کوئی الگ چیز نہیں ہے کیوں کہ خدا کے پاک کلام نے تمام نیچرل قوے اور جسمانی خواہشوں اور تقاضوں کو طبعی حالات کی مد میں رکھا ہے اور وہی طبعی حالتیں ہیں جو بالارادہ ترتیب اور تعدیل اور موقع بینی اور محل پہ استعمال کرنے کے بعد اخلاق کا رنگ پکڑ لیتی ہیں ایسا ہی اخلاقی حالتیں روحانی حالتوں سے کوئی الگ باتیں نہیں ہیں بلکہ وہی اخلاقی حالتیں ہیں جو پورے فنا فی اللہ اور تزکیہ نفس اور پورے انقطاع الی اللہ اور پوری محبت اور پوری محویّت اور پوری سکینت اور اطمینان اور پوری موافقت باللہ سے روحانیت کا رنگ پکڑ لیتی ہیں طبعی حالتیں جب تک اخلاقی رنگ میں نہ آئیں کسی طرح انسان کو قابل تعریف نہیں بناتیں کیونکہ وہ دوسرے حیوانات بلکہ جمادات میں بھی پائی جاتی ہیں ایسا ہی مجرد اخلاق کا حاصل کرنا بھی انسان کو روحانی زندگی نہیں بخشتا بلکہ ایک شخص خدا تعالے کے وجود سے بھی منکر رہ کر اچھے اخلاق دکھلا سکتا ہے دل کا غریب ہونا یا دل کا حلیم ہونا یا صلح کار ہونا یا ترک شر کرنا اور شریر کے مقابلہ پہ نہ آنا یہ تمام طبعی حالتیں ہیں اور ایسی باتیں ہیں جو ایک نا اہل کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں جو اصل سرچشمہ نجات سے بے نصیب اور نا آشنا محض ہے اور بہت سے چارپائے غریب بھی ہوتے ہیں اور ہلنے اور خو پذیر ہونے سے صلح کاری بھی دکھلاتے ہیں سوٹے پر سوٹا مارنے سے کوئی مقابلہ نہیں کرتے مگر پھر بھی ان کو انسان نہیں کہہ سکتے چہ جائیکہ ان

طبعی حالتوں اور اخلاق میں مابہ الامتیاز

خصلتون سے وہ اعلے درجہ کے انسان بن سکین۔ ایسا ہی بد سے بد عقیدہ والا بلکہ بعض بدکاریون کا مرتکب ان باتون کا پابند ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان رحم مین اس حدتک پہونچ جائے کہ اگر اس کے اپنے ہی زخم مین کیڑے پڑین ان کو بھی قتل کرنا روا نہ رکھے اور جاندارون کی پاسداری اس قدر کرے کہ جوئین جو سر مین پڑتی ہین یا وہ کیڑے جو پیٹ اور انتڑیون مین اور دماغ مین پیدا ہوتے ہین ان کو بھی آزار دینا نہ چاہے بلکہ مین قبول کر سکتا ہون کہ کسی کا رحم اس حدتک پہونچے کہ وہ شہد کھانا ترک کر دے کیونکہ وہ بہت سی جانون کے تلف ہونے اور غریب مکھیون کو ان کے استھان سے پراگندہ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور مین مانتا ہون کہ کوئی مشک سے بھی پرہیز کرے کیونکہ وہ غریب ہرن کا خون ہے اس غریب کو قتل کرنے اور بچون سے جدا کرنے کے بعد میسر آ سکتا ہے ایسا ہی مجھے اس سے بھی انکار نہین کہ کوئی موتیون کے استعمال کو بھی چھوڑ دے اور ابریشم کو پہننا بھی ترک کرے کیونکہ یہ دونون غریب کیڑون کے ہلاک کرنے سے ملتے ہین بلکہ مین یہانتک مانتا ہون کہ کوئی شخص دکھ کے وقت جوکون کے لگانے سے بھی پرہیز کرے اور آپ دکھ اٹھالے اور غریب جوک کی موت کا خواہان نہ ہو۔ بالآخر اگر کوئی مانے یا نہ مانے مگر مین مانتا ہون کہ کوئی شخص اسقدر رحم کو کمال کے نقطہ تک پہونچا وے کہ پانی پینا چھوڑ دے اور اس طرح پانی کے کیڑون کے بچانے کے لئے اپنے تئین ہلاک کرے مین یہ سب کچھ قبول کرتا ہون لیکن مین ہرگز قبول نہین کر سکتا کہ یہ تمام طبعی حالتین اخلاق کہلا سکتی ہین۔ یا صرف انہی سے وہ اندرونی گند دھوئے جا سکتے ہین جن کا وجود خدا کے ملنے کی روک ہے۔ مین کبھی باور نہین کرون گا کہ اس طرح کا غریب اور بے آزار بننا جس مین بعض چارپایون اور پرندون کا کچھ نمبر بڑھا ہوا ہے اعلے انسانیت کے حصول کا موجب ہو سکتا ہے بلکہ میرے نزدیک یہ قانون قدرت سے لڑائی ہے اور رضا کے بھاری خُلق کے برخلاف اور اس نعمت کو رد کرنا ہے جو قدرت نے ہم کو عطا کی ہے بلکہ وہ روحانیت ہر ایک خُلق کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنے کے بعد اور پھر خدا کی راہون مین وفاداری کے ساتھ قدم مارنے سے اور اسی کا ہو جانے سے ملتی ہے جو اس کا ہو جاتا ہے اس کی یہی نشانی ہے کہ وہ اس کے بغیر جی ہی نہین سکتا۔ عارف ایک مچھلی ہے جو خدا کے ہاتھ سے ذبح کی گئی اور اس کا پانی خدا کی محبت ہے۔

اب مین پہلے کلام کی طرف رجوع کرتا ہون۔ مین ابھی ذکر کر چکا ہون کہ انسانی

[illegible]

اصلاح کے تین طریق

حالتون کے سرچشمے تین ہین یعنے نفس امّارہ۔ نفس لوّامہ۔ نفس مطمئنہ۔ اور طریق اصلاح کے بھی تین ہین۔ اول یہ کہ بے تمیز وحشیون کو اس ادنیٰ خُلق پر قایم کیا جائے کہ وہ کھانے پینے اور شادی وغیرہ تمدّنی امور مین انسانیت کے طریقے پر چلین نہ ننگے پھرین اور نہ کتون کی طرح مردار خوار ہون اور نہ کوئی اور بے تمیزی ظاہر کرین یہ طبعی حالتون کی اصلاحون مین سے ادنے درجہ کی اصلاح ہے۔ یہ اس قسم کی اصلاح ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیر کے جنگلی آدمیون مین سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکھلانا ہو تو پہلے ادنیٰ ادنیٰ اخلاق انسانیت اور طریق ادب کی ان کو تعلیم دی جائے گی۔ دوسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حاصل کرلیوے تو اس کو بڑے بڑے اخلاق انسانیت کے سکھلائے جائین اور انسانی قویٰ مین جو کچھ بھرا پڑا ہے ان سب کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنے کی تعلیم دی جائے۔ تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متّصف ہوگئے ہین ایسے خشک زاہدون کو شربت محبت اور وصل کا مزا چکھایا جائے یہ تین اصلاحین ہین جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح کی کامل ضرورت کے وقت مبعوث ہوئے

اور ہمارے سید و مولےٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت مین مبعوث ہوئے تھے جبکہ دنیا ہر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہوچکی تھی جیساکہ اللہ تعالے فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یعنے جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو اہل کتاب کہلاتے ہین وہ بھی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہین جن کو الہام کا پانی نہین ملا وہ بھی بگڑ گئے ہین۔ پس قرآن شریف کا کام دراصل مُردون کو زندہ کرنا تھا جیساکہ وہ فرماتا ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا یعنے یہ بات جان لو کہ اب اللہ تعالے نئے سرے سے زمین کو بعد اس کے مرنے کے زندہ کرنے لگا ہے۔ اس زمانہ مین عرب کا حال نہایت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہونچا ہوا تھا اور کوئی نظام انسانیت کا باقی نہین رہا تھا اور تمام معاصی ان کی نظر مین فخر کی جگہ تھے ایک ایک شخص صدہا بیویان کرلیتا تھا۔ حرام کا کھانا ان کے نزدیک ایک شکار تھا ماؤن کے ساتھ نکاح کرنا حلال سمجھتے تھے اسی واسطے اللہ تعالےٰ کو کہنا پڑا۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ یعنے آج مائین تمہاری تم پر حرام ہوگئین ایسا ہی وہ مردار کھاتے تھے آدم خور بھی تھے۔ دنیا کا کوئی بھی گناہ نہین جو نہین کرتے تھے۔ اکثر معاد کے منکر تھے۔ بہت سے ان مین سے خدا کے وجود کے بھی قایل نہ تھے لڑکیون کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتے تھے یتیمون کو ہلاک کرکے ان کا مال کھاتے تھے۔ بظاہر تو انسان تھے۔ مگر عقلین مسلوب تھین۔ نہ حیا تھی نہ شرم تھی نہ غیرت تھی۔ شراب کو پانی کی طرح پیتے تھے۔

جس کا زنا کاری ہیں اول نمبر ہوتا تھا وہی قوم کا رئیس کہلاتا تھا۔ بے علمی اس قدر تھی کہ ارد گرد کی تمام قوموں نے ان کا نام امی رکھ دیا تھا ایسے وقت میں اور ایسی قوموں کی اصلاح کے لئے ہمارے سید و مولی نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ میں ظہور فرما ہوئے پس وہ تین قسم کی اصلاحیں جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں ان کا درحقیقت یہی زمانہ تھا پس اسی وجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام ہدایتوں کی نسبت اکمل اور اتم ہونے کا دعوے کرتا ہے کیونکہ دنیا کی اور کتابوں کو ان تین قسم کی اصلاحوں کا موقع نہیں ملا اور قرآن شریف کو ملا اور قرآن شریف کا یہ مقصد تھا کہ حیوانوں سے انسان بناوے اور انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے با خدا انسان بناوے اسی واسطے ان تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے۔

قرآنی تعلیم کا اصل منشا اصلاحات ثلاثہ ہیں

اور قبل اس کے جو ہم اصلاحات ثلثہ کا مفصل بیان کریں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو زبردستی ماننی پڑے بلکہ تمام قرآن کا مقصد صرف اصلاحات ثلثہ ہیں اور اس کی تمام تعلیموں کا لب لباب یہی تین اصلاحیں ہیں اور باقی تمام احکام ان اصلاحوں کے لئے بطور وسایل کے ہیں اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بھی صحت کے پیدا کرنے کے لیے کبھی چیرنے کبھی مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے ایسا ہی قرآنی تعلیم نے بھی انسانی ہمدردی کے لیے ان لوازم کو اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اس کے تمام معارف یعنے گیان کی باتیں اور وصایا اور وسایل کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو اُن کی طبعی حالتوں سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اخلاقی حالتوں تک پہونچاوے اور پھر اخلاقی حالتوں سے روحانیت کے ناپیدا کنار دریا تک پہونچاوے +

طبعی حالتیں تعدیل سے اخلاق بن جاتی ہیں

اور پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ طبعی حالات اخلاقی حالات سے کچھ الگ چیز نہیں بلکہ وہی حالات ہیں جو تعدیل اور موقع اور محل پر استعمال کرنے سے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے کام میں لانے سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہیں اور قبل اس کے کہ وہ عقل اور معرفت کی صلاح اور مشورہ سے صادر ہوں گو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہوں درحقیقت اخلاق نہیں ہوتے بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار رفتار ہوتی ہے جیسا کہ اگر ایک کتے یا ایک بکری سے اپنے مالک کے ساتھ محبت اور انکسار ظاہر ہو تو اس کتے کو خلیق نہیں کہیں گے اور نہ اس بکری کا نام مہذب الاخلاق رکھینگے اسی طرح ہم ایک بھیڑئیے یا شیر کو ان کی درندگی کی وجہ سے بد خلق نہیں کہیں گے

بلکہ جیسا کہ ذکر کیا گیا اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے بعد شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل و تدبیر سے کام نہین لیتا وہ ان شیر خوار بچون کی طرح ہے جن کے دل اور دماغ پر ہنوز قوت عقلیہ کا سایہ نہین پڑا۔ یا ان دیوانون کی طرح جو جوہر عقل اور دانش کو کھو بیٹھتے ہین ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شیر خوار اور دیوانہ ہو وہ ایسی حرکات بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھ مشابہ ہوتی ہین۔ مگر کوئی عقلمند ان کا نام اخلاق نہین رکھ سکتا کیونکہ وہ حرکتین تمیز اور موقع بینی کے چشمے سے نہین نکلتین بلکہ وہ طبعی طور پر تحریکون کے پیش آنے کے وقت صادر ہوتی جاتی ہین جیسا کہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی مان کی چھاتیون کی طرف رُخ کرتا ہے اور ایک مرغ کا بچہ پیدا ہوتے ہی دانہ چگنے کے لئے دوڑتا ہے جوک کا بچہ جوک کی عادتین اپنے اندر رکھتا ہے اور سانپ کا بچہ سانپ کی عادتین ظاہر کرتا ہے اور شیر کا بچہ شیر کی عادتین دکھلاتا ہے۔ بالخصوص انسان کے بچہ کو غور سے دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسے پیدا ہوتے ہی انسانی عادتین دکھلانا شروع کر دیتا ہے اور پھر جب برس ڈیڑھ برس کا ہوا تو وہ عادات طبعیہ بہت نمایان ہو جاتی ہین۔ مثلاً پہلے جس طور سے روتا تھا اب رونا بہ نسبت پہلے کے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے ایسا ہی ہنسنا قہقہ کی حد تک پہونچ جاتا ہے اور آنکھون مین بھی عمداً دیکھنے کے آثار پیدا... ہو جاتے ہین اور اس عمر مین یہ ایک اور امر طبعی پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنی رضامندی یا نارضامندی حرکات سے ظاہر کرتا ہے اور کسی کو مارتا اور کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے مگر یہ تمام حرکات دراصل طبعی ہوتی ہین۔ پس ایسے بچہ کی مانند ایک وحشی آدمی بھی ہے جس کو انسانی تمیز سے بہت ہی کم حصہ ملا ہے وہ بھی اپنے ہر ایک قول اور فعل اور حرکت اور سکون مین طبعی حرکات ہی دکھلاتا ہے اور اپنی طبیعت کے جذبات کا تابع رہتا ہے کوئی بات اس کے اندرونی قوے کے تدبر اور تفکر سے نہین نکلتی۔ بلکہ جو کچھ طبعی طور پر اس کے اندر پیدا ہوا ہے وہ خارجی تحریکون کے مناسب حال نکلتا چلا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے طبعی جذبات جو اس کے اندر سے کسی تحریک سے باہر آتے ہین وہ سب کے سب بُرے نہ ہون بلکہ بعض ان کے نیک اخلاق سے مشابہ ہون۔ لیکن عاقلانہ تدبر اور موشگافی کو اُن مین دخل نہین ہوتا اور اگر کسی قدر ہو بھی تو وہ بوجہ غلبہ جذبات طبعی قابل اعتبار نہین ہوتا بلکہ جس طرف کثرت ہے اسی طرف کو معتبر سمجھا جائے گا۔

حقیقی اخلاق

غرض ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہین کر سکتے جس پر جذبات طبعیہ حیوانون اور بچون اور دیوانون کی طرح غالب ہین اور جو اپنی زندگی کو قریب قریب وحشیون کے بسر کرتا ہے بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بد اخلاق کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان کی عقل خداداد پختہ ہو کر اس کے ذریعہ سے نیکی اور بدی یا دو بدیون یا دو نیکیون کے درجہ مین فرق کر سکے پھر اچھے راہ کے ترک کرنے سے اپنے دل مین ایک حسرت پاوے اور برے کام کے ارتکاب سے اپنے تئین متندم اور پشیمان دیکھے۔ یہ انسان کی زندگی کا دوسرا زمانہ ہے جس کو خدا کے پاک کلام قرآن شریف مین نفس لوّامہ کے نام سے تعبیر کیا ہے مگر یاد رہے کہ ایک وحشی کو نفس لوّامہ کی حالت تک پہونچانے کے لئے صرف سرسری نصایح کافی نہین ہوتین بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کو خدا شناسی کا اسقدر حصّہ ملے جس سے وہ اپنی پیدائش بیہودہ اور لغو خیال نہ کرے تا معرفت الٰہی سے سچے اخلاق اس مین پیدا ہون۔ اسی وجہ سے خدا تعالے نے ساتھ ساتھ سچے خدا کی معرفت کے لئے توجہ دلائی ہے اور یقین دلایا ہے کہ ہر ایک عمل اور خُلق ایک نتیجہ رکھتا ہے جو اس زندگی مین روحانی راحت یا روحانی عذاب کا موجب ہوتا ہے اور دوسری زندگی مین کھلے کھلے طور پر اپنا اثر دکھائے گا۔ غرض نفس لوّامہ کے درجہ پر انسان کو عقل اور معرفت اور پاک کانشنس سے اس قدر حصّہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ برے کام پر اپنے تئین ملامت کرتا ہے اور نیک کام کا خواہشمند اور حریص رہتا ہے۔ یہ وہی درجہ ہے کہ جس مین انسان اخلاق فاضلہ حاصل کرتا ہے۔

خَلق اور خُلق

اس جگہ بہتر ہوگا کہ مین خُلق کے لفظ کی بھی کسی قدر تعریف کر دون۔ سو جاننا چاہیئے کہ خَلق خا کی فتح سے ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خُلق خا کے ضمہ سے باطنی پیدائش کا نام ہے اور چونکہ باطنی پیدائش اخلاق سے ہی کمال کو پہونچتی ہے نہ صرف طبعی جذبات سے اس لئے اخلاق پر ہی یہ لفظ بولا گیا ہے طبعی جذبات پر نہین بولا گیا۔ اور پھر یہ بات بھی بیان کر دینے کے لائق ہے کہ جیسا کہ عوام الناس خیال کرتے ہین کہ خلق صرف حلیمی اور نرمی اور انکساری ہی کا نام ہے یہ ان کی غلطی ہے بلکہ جو کچھ بمقابلہ ظاہری اعضا کے باطن مین انسانی کمالات کی کیفیتین رکھی گئی ہین ان سب کیفیتون کا نام خلق ہے مثلاً انسان آنکھ سے روتا ہے اور اس کے مقابل پر دل مین ایک قوت رقّت ہے وہ جب بذریعہ عقل خداداد کے اپنے محل پر مستعمل ہو تو وہ ایک خُلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتھون دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل مین ایک قوت ہے جس کو

شجاعت کہتے ہین۔ جب انسان محل پر اور موقع کے لحاظ سے اس قوت کو استعمال مین لاتا ہے تو اُس کا نام بھی خُلق ہے اور ایسا ہی انسان کبھی ہاتھون کے ذریعہ سے مظلومون کو ظالمون سے بچانا چاہتا ہے یا نادارون اور بھوکون کو کچھ دینا چاہتا ہے یا کسی اور طرح سے بنی نوع کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل مین ایک قوت ہے جس کو رحم بولتے ہین اور کبھی انسان اپنے ہاتھون کے ذریعہ سے ظالم کو سزا دیتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل مین ایک قوت ہے جس کو عفو اور صبر کہتے ہین اور کبھی انسان بنی نوع کو فائدہ پہونچانے کے لیئے اپنے ہاتھون سے کام لیتا ہے یا پیرون سے یا دل اور دماغ سے اور ان کی بہبودی کے لیئے اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے تو اُس حرکت کے مقابل پر دل مین ایک قوت ہے جس کو سخاوت کہتے ہین۔ پس جب انسان ان تمام قوتون کو موقع اور محل کے لحاظ سے استعمال کرتا ہے تو اُس وقت ان کا نام خُلق رکھا جاتا ہے۔ اللہ جلشانہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ یعنے تو ایک بزرگ خُلق پر قایم ہے سو اسی تشریح کے مطابق اس کے معنے ہین یعنے یہ کہ تمام قسمین اخلاق کی سخاوت۔ شجاعت۔ عدل۔ رحم۔ احسان۔ صدق حوصلہ وغیرہ تجھ مین جمع ہین۔ غرض جس قدر انسان کے دل مین قوتین پائی جاتی ہین جیسا کہ ادب۔ حیا۔ دیانت۔ مروّت۔ غیرت۔ استقامت۔ عفّت۔ زہادت۔ اعتدال۔ مواسات یعنے ہمدردی۔ ایسا ہی شجاعت۔ سخاوت۔ عفو۔ صبر۔ احسان۔ صدق وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتین عقل اور تدبر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کی جائینگی تو سب کا نام اخلاق ہوگا اور یہ تمام اخلاق درحقیقت انسان کی طبعی حالتین اور طبعی جذبات ہین اور صرف اس وقت اخلاق کے نام سے موسوم ہوتے ہین کہ جب محل اور موقع کے لحاظ سے بالارادہ ان کو استعمال کیا جائے چونکہ انسان کے طبعی خواص مین سے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ترقی پذیر جاندار ہے۔ اس لئے وہ سچے مذہب کی پیروی اور نیک صحبتون اور نیک تعلیمون سے ایسی طبعی جذبات کو اخلاق کے رنگ مین لے آتا ہے اور یہ امر کسی اور جاندار کے لیئے نصیب نہین۔

اصلاح اوّل یعنی طبعی حالتین

اب ہم منجملہ قرآن شریف کی اصلاحات ثلثہ کے پہلی اصلاح کو جو ادنےٰ درجہ کی

طبعی حالتون کے متعلق ہے ذکر کرتے ہین اور یہ اصلاح اخلاق کے شعبون مین سے وہ شعبہ ہے جو ادب کے نام سے موسوم ہے یعنے وہ ادب جس کی پابندی وحشیون کو اُن کی طبعی حالتون کھانے پینے اور شادی کرنے وغیرہ تمدنی امور مین مرکز اعتدال پر لاتی ہے اور اس زندگی سے نجات بخشتی ہے جو وحشیانہ اور چوپاؤن یا درندون کی طرح ہو جیساکہ ان تمام آداب کے بارے مین اللہ جل شانہ قرآن شریف مین فرماتا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ط وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ ..... وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ ... غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ط وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ ط وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا۔ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ط وَإِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَأَنْكِحْتُمْ حَسَنًا مَا طَهَّرُوا وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ط وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا ط وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ط **ترجمہ** یعنے تم پر تمہاری مائین حرام کی گئین اور ایسا ہی تمہاری بیٹیان اور تمہاری بہنین اور تمہاری پھوپھیان اور تمہاری خالائین اور تمہاری... بھتیجیان اور تمہاری بھانجیان اور تمہاری وہ مائین جنھون نے تمہین دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی

حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا

بہنین اور تمہاری بیویون کی مائین اور تمہاری بیویون کے پہلے خاوند سے لڑکیان جن سے تم ہم صحبت ہوچکے ہو اور اگر تم ان سے ہم صحبت نہین ہوئے تو کوئی گناہ نہین اور تمہارے حقیقی بیٹون کی عورتین اور ایسے ہی دو بہنین ایک وقت مین یہ سب کام جو پہلے ہوتے تھے۔ آج تم پر حرام کئے گئے۔ یہ بھی تمہارے لیئے جائز نہ ہوگا کہ جبراً عورتون کے وارث بن جاؤ یہ بھی جائز نہین کہ تم ان عورتون کو نکاح مین لاؤ جو تمہارے باپون کی بیویان تھین۔ جو پہلے ہوچکا سو ہوچکا پاک دامن عورتین تم مین سے یا پہلے اہل کتاب مین سے تمہارے لیئے حلال ہین کہ ان سے شادی کرو لیکن جب مہر قرار پاکر نکاح ہوجائے بدکاری جائز نہین اور نہ چھپا ہوا یارانہ۔ عرب کے جاہلون مین جس شخص کے اولاد نہ ہوتی تھی بعض مین یہ رسم تھی کہ ان کی بیوی اولاد کے لیئے دوسرے سے آشنائی کرتی۔ قرآن شریف نے اس صورت کو حرام کر دیا۔ مسافحت اسی بد رسم کا نام ہے۔ پھر فرمایا کہ تم خودکشی نہ کرو۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اور دوسرے گھرون مین وحشیون کی طرح خود بخود بے اجازت نہ چلے جاؤ۔ اجازت لینا شرط ہے اور جب تم دوسرے کے گھرون مین جاؤ تو داخل ہوتے السلام علیکم کہو اور اور اگر ان گھرون مین کوئی نہ ہو تو جب تک کوئی مالک خانہ[ص] یہ کہے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ۔ اور گھرون مین دیوارون پر سے کود کر نہ جایا کرو۔ بلکہ گھرون مین ان گھرون کے دروازہ مین سے جاؤ اور اگر کوئی تمہین سلام کہے تو اس سے بہتر اور نیک تر اس کو سلام کہو۔ شراب۔ اور قمار بازی اور بت پرستی اور شگون لینا یہ سب پلید اور شیطانی کام ہین ان سے بچو۔ مردار مت کھاؤ۔ لاٹھی سے مارا ہوا مت کھاؤ۔ سینگ لگنے سے مرا ہوا مت کھاؤ۔ درندہ کا پھاڑا ہوا مت کھاؤ۔ بت پر چڑھایا ہوا مت کھاؤ کیونکہ یہ سب مردار کا حکم رکھتے ہین اور اگر یہ لوگ پوچھین کہ پھر کھائین کیا۔ تو جواب یہ دے کہ دنیا کی تمام پاک چیزین کھاؤ صرف مردار اور مردار کے مشابہ اور پلید چیزین مت کھاؤ۔ اگر مجلسون مین تمہین کہا جائے کہ کشادہ ہوکر بیٹھو یعنے دوسرون کو جگہ دو تو جلد جگہ کشادہ کردو تا دوسرے بیٹھین اور اگر کہا جائے کہ تم اٹھ جاؤ تو پھر بغیر چون و چرا کے اٹھ جاؤ۔ گوشت دال وغیرہ سب چیزین جو پاک ہون بیشک کھاؤ مگر ایک طرف کی کثرت مت کرو اور اسراف اور زیادہ خوری سے اپنے تئین بچاؤ لغو باتین مت کیا کرو محل اور موقع کی بات کیا کرو۔ اپنے کپڑے صاف رکھو۔ بدن کو اور گھر کو اور کوچہ کو اور ہر ایک جگہ کو جہان تمہاری نشست ہو پلیدی اور میل کچیل اور کثافت سے بچاؤ یعنے غسل کرتے ہو۔ اور گھرون کو صاف رکھنے کی عادت پکڑو۔ نہ بہت اونچا بولا کرو نہ بہت نیچا درمیان کو نگاہ رکھو یعنے باستثناء وقت ضرورت کے چلنے مین بھی نہ بہت تیز چلو اور

[ص] یعنی اوپر دیوار سے ان گھروں کی مت جاؤ اور اگر مالک خانہ

نہ بہت آہستہ درمیان کو لگا رکھو۔ جب سفر کرو تو ہر ایک طور پر سفر کا انتظام کر لیا کرو اور کافی زاد راہ لے لیا کرو تا گداگری سے بچو۔ جنابت کی حالت میں غسل کر لیا کرو جب روٹی کھاؤ تو سائل کو بھی دو اور کتے کو بھی ڈال دیا کرو اور دوسرے پرند وغیرہ کو بھی اگر موقع ہو۔ یتیم لڑکیاں جن کی تم پرورش کرو ان سے نکاح کرنا مضایقہ نہیں۔ لیکن اگر تم دیکھو کہ چونکہ وہ لاوارث ہیں شاید تمہارا نفس ان پر زیادتی کرے تو ماں باپ اور اقارب والی عورتیں کرو جو تمہاری مؤدب رہیں اور ان کا تمہیں خوف رہے ایک دو تین چار تک کر سکتے ہو بشرطیکہ اعتدال کرو اور اگر اعتدال نہ ہو تو پھر ایک ہی پر کفایت کرو۔ گو ضرورت پیش آوے چار کی حد لگا دی گئی ہے۔ وہ اس مصلحت سے ہے کہ تا تم پرانی عادت کے تقاضے سے افراط نہ کرو۔ یعنے صدہا تک نوبت نہ پہونچاؤ۔ یا یہ کہ حرام کاری کی طرف جھک جاؤ۔ اور اپنی عورتوں کو مہر دو۔ غرض یہ قرآن شریف کی پہلی اصلاح ہے جس میں انسان طبعی حالتوں کو وحشیانہ طریقوں سے کھینچکر انسانیت کے لوازم اور تہذیب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اس تعلیم میں ابھی اعلے اخلاق کا کچھ ذکر نہیں صرف انسانیت کے آداب ہیں اور ہم لکھ چکے ہیں کہ اس تعلیم کی یہ ضرورت پیش آئی تھی کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم جس قوم کی اصلاح کے لیئے آئے تھے وہ وحشیانہ حالت میں سب قوموں سے بڑھی ہوئی تھی کسی پہلو میں انسانیت کا طریق ان میں قائم نہیں رہا تھا پس ضرور تھا کہ سب سے پہلے انسانیت کے ظاہری ادب اُن کو سکھلائے جاتے۔

وجہ تسمیہ

ایک نکتہ اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ خنزیر جو حرام کیا گیا ہے خدا نے ابتدا سے اس کے نام میں ہی حرمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ خنزیر کا لفظ خنز اور ار سے مرکب ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ میں اسکو فاسد اور خراب دیکھتا ہوں خنز کے معنے بہت فاسد اَر کے معنے دیکھتا ہوں۔ پس اس جانور کا نام جو ابتدا سے خدا تعالے کی طرف سے اس کو ملا ہے وہی اس کی پلیدی پر دلالت کرتا ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی میں اس جانور کو سُؤر کہتے ہیں یہ لفظ بھی سؤ اور ار سے مرکب ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ میں اس کو بہت بُرا دیکھتا ہوں اور اس سے تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ سوء کا لفظ عربی کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہم نے اپنی کتاب منن الرحمٰن میں ثابت کیا ہے کہ تمام زبانوں کی ماں عربی زبان ہے اور عربی کے لفظ ہر ایک زبان میں نہ ایک دو بلکہ ہزاروں ملے ہوئے ہیں سو سوء عربی لفظ ہے اس لیئے ہندی میں سوء کا ترجمہ بد ہے۔ پس اس جانور کو بد بھی کہتے ہیں۔ اس میں کچھ بھی شک معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ

تمام دنیا کی زبان عربی تھی اس ملک میں یہ نام اس جانور کا عربی میں مشہور تھا جو خنزیر کے نام کے ہم معنے ہے۔ پھر اب تک یادگار باقی رہ گیا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ شاستری میں اس کے قریب قریب یہی لفظ متغیر ہوکر اور کچھ بن گیا ہو مگر صحیح لفظ یہی ہے کیونکہ اپنی وجہ تسمیہ ساتھ رکھتا ہے جس پر لفظ خنزیر گواہ ناطق ہے اور یہ معنے جو اس کے لفظ کے ہیں یعنے بہت فاسد اس کی تشریح کی حاجت نہیں۔ اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر پلید ہی ہو کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہے پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی پڑے گا جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے اور مردار کا کھانا بھی اسی لئے اس شریعت میں منع ہے کہ مردار بھی کھانے والے کو اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہری صحت کے لئے بھی مضر ہے اور جن جانوروں کا خون اندر ہی رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا۔ یا لاٹھی سے مارا۔ یہ تمام جانور درحقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں۔ کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ بوجہ مرطوب ہونے کے بہت جلد گندہ ہوگا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کرے گا۔ اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں مرکر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلا دیں گے +

انسان کی اخلاقی حالتیں

دوسرا حصہ قرآنی اصلاح کا یہ ہے کہ طبعی حالتوں کو شرائط مناسب کے ساتھ مشروط کر کے اخلاق فاضلہ تک پہونچایا جائے سو واضح ہو کہ یہ حصہ بہت بڑا ہے اگر ہم اس حصہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں یعنے تمام وہ اخلاق اس جگہ لکھنا چاہیں جو قرآن شریف نے بیان کئے تو یہ مضمون اس قدر لمبا ہو جائے گا کہ وقت اس کے دسویں حصہ تک کو بھی کفایت نہیں کرے گا اس لئے چند اخلاق فاضلہ نمونے کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں +

اب جاننا چاہیئے کہ اخلاق دو قسم کے ہیں اوّل وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ترک شر پر قادر ہوتا ہے۔ دوسرے وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ایصال خیر پر

قادر ہوتا ہے۔اور ترک شر کے مفہوم مین وہ اخلاق داخل ہین جن کے ذریعہ۔۔۔ انسان کوشش کرتا ہے کہ تا اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنی آنکھ یا اپنے کسی اور عضو سے دوسرے کے مال یا عزت یا جان کو نقصان نہ پہونچاوے یا نقصان رسانی اور کسر شان کا ارادہ نہ کرے اور ایصال خیر کے مفہوم مین تمام وہ اخلاق داخل ہین جن کے ذریعہ سے انسان کوشش کرتا ہے کہ اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنے علم یا کسی اور ذریعہ سے دوسرے کے مال یا عزت کو فائدہ پہونچا سکے یا اس کے جلال یا عزت ظاہر کرنے کا ارادہ کر سکے یا اگر کسی نے اس پر کوئی ظلم کیا تھا تو جس سزا کا وہ ظالم مستحق تھا اس سے درگذر کر سکے اور اس طرح اس کو دکھ اور عذاب بدنی اور تاوان مالی سے محفوظ رہنے کا فایدہ پہونچا سکے یا اس کو ایسی سزا دے سکے جو حقیقت مین اس کے لیئے سراسر رحمت ہے۔

اخلاق متعلق ترک شر

اب واضح ہو کہ وہ اخلاق جو ترک شر کے لئے صانع حقیقی نے مقرر فرمائے ہین وہ زبان عربی مین جو تمام انسانی خیالات اور اوضاع اور اخلاق کے اظہار کے لیئے ایک ایک مفرد لفظ اپنے اندر رکھتی ہے چار نامون سے موسوم ہین۔چنانچہ پہلا خلق احصان کے نام سے موسوم ہے اور اس لفظ سے مراد خاص وہ پاک دامنی ہے جو مرد اور عورت کی قوت تناسل سے علاقہ رکھتی ہے اور محصن یا محصنہ اس مرد یا اس عورت کو کہا جائے گا کہ جو حرام کاری یا اس کے مقدمات سے مجتنب رہ کر اس ناپاک بدکاری سے اپنے تئین روکے۔جس کا نتیجہ دونون کے لیئے اس عالم مین ذلت اور لعنت اور دوسرے جہان مین عذاب آخرت اور متعلقین کے لیئے علاوہ بے آبروئی نقصان شدید ہے۔مثلاً جو شخص کسی کی بیوی سے ناجائز حرکت کا مرتکب ہو یا مثلاً زنا تو نہین مگر اس کے مقدمات مرد اور عورت دونون سے ظہور مین آوین تو کچھ شک نہین کہ اس غیرتمند مظلوم کی ایسی بیوی کو جو زنا کرانے پر راضی ہو گئی تھی یا زنا بھی واقع ہو چکا تھا طلاق دینی پڑے گی اور بچون پر بھی اگر اس عورت کے پیٹ سے ہون گے بڑا تفرقہ پڑے گا اور مالک خانہ یہ تمام نقصان اس بدذات کی وجہ سے اٹھائیگا

اس جگہ یاد رہے کہ یہ خلق جس کا نام احصان یا عِفّت ہے یعنے پاک دامنی یہ اسی حالت مین خلق کہلائے گا جبکہ ایسا شخص جو بدنظری یا بدکاری کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے یعنے قدرتی وہ قوٰے اسکو دے رکھے ہین جن کے ذریعہ سے اس جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے اس فعل شنیع سے اپنے تئین بچائے۔اور اگر بباعث بچہ ہونے یا نامرد ہونے یا خوجہ ہونے یا پیر فرتوت ہونے کے یہ قوت اس مین موجود نہ ہو تو اس صورت مین ہم اس کو اس خلق سے جس کا نام احصان یا عِفّت ہے موصوف نہین کر سکتے۔ہان یہ ضرور ہے کہ عفت

اور احصان کی اس مین ایک طبعی حالت ہے مگر ہم بار بار لکھ چکے ہین کہ طبعی حالتین خلق کے نام سے موسوم نہین ہو سکتین بلکہ اس وقت خلق کی حد مین داخل کی جائین گی جبکہ عقل کے زیر سایہ ہو کر اپنے محل پر صادر ہون یا صادر ہونے کی قابلیت پیدا کر لین۔ لہذا جیسا کہ مین لکھ چکا ہون بچے اور نامرد اور ایسے لوگ جو کسی تدبیر سے اپنے تئین نامرد کر لین اس خلق کا مصداق نہین ٹھہر سکتے گو بظاہر عفت اور احصان کے رنگ مین اپنی زندگی بسر کرین بلکہ تمام صورتون مین ان کی عفت اور احصان کا نام طبعی حالت ہوگا نہ اور کچھ۔ اور چونکہ یہ ناپاک حرکت اور اس کے مقدمات جیسے مرد سے صادر ہو سکتے ہین لہذا خدا کی پاک کتاب مین دونون مرد اور عورت کے لیئے یہ تعلیم فرمائی گئی ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ ... فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيْلًا وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا یعنے ایمانداروں کو جو مرد ہین کہدے کہ آنکھون کو نامحرم عورتون کے دیکھنے سے بچائے رکھین اور ایسی عورتون کو کھلے طور سے نہ دیکھین جو شہوت کا محل ہو سکتی ہون اور ایسے موقع پر دزدیدہ نگاہ کی عادت پکڑین اور اپنے ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچاوین ایسا ہی کانون کو نامحرمون سے بچاوین یعنے بیگانہ عورتون کے گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازین نہ سنین۔ ان کے حسن کے قصے نہ سنین یہ طریق پاک نظر اور پاک دل رہنے کے لیئے عمدہ طریق ہے۔ ایسا ہی ایماندار عورتون کو کہدے کہ وہ بھی اپنی آنکھون کو نامحرم مردون کے دیکھنے سے بچائین یعنے ان کی پر شہوات آوازین نہ سنین اور اپنے ستر کی جگہ کو پردہ مین رکھین۔ اور اپنی زینت کے اعضا کو کسی غیر محرم پر نہ کھولین اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لین کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے یعنے گریبان اور دونون کان اور سر اور کنپٹیان سب چادر کے پردہ مین رہین اور اپنے پیرون کو زمین پر ناچنے والون کی طرح نہ مارین۔ یہ وہ تدبیر ہے کہ جس کی پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی ہے۔ اور دوسرا طریق بچنے کے لیئے یہ ہے کہ خدا تعالے کی طرف رجوع کرین اور اس سے دعا کرین تا ٹھوکر سے بچاوے اور لغزشون سے نجات دے۔ زنا کے قریب مت جاؤ یعنے ایسی تقریبون سے دور رہو جن سے یہ خیال بھی دل مین پیدا ہو سکتا ہو اور ان راہون کو اختیار نہ کرو جن سے اس گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو جو

۴ ویسے ہی عورت سے بھی صادر ہو سکتے ہین

زنا کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہونچا دیتا ہے - زنا کی راہ بہت بری راہ ہے یعنے منزل مقصود سے روکتی ہے اور تمہاری آخری منزل کے لیئے سخت خطرناک ہے اور جس کو نکاح میسر نہ آوے چاہیئے کہ وہ اپنی عفت کو دوسرے طریقون سے بچاوے - مثلا روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتون سے تن آزار کام لے اور اور لوگون نے یہ بھی طریق نکالے ہین کہ وہ ہمیشہ عمداً نکاح سے دست بردار رہین یا خوجے بنین اور کسی طریق سے رہبانیت اختیار کرین مگر ہم نے انسان پر یہ حکم فرض نہین کئے اس لیئے وہ ان بدعتون کو پورے طور پر نباہ نہ سکے - خدا کا یہ فرمانا کہ ہمارا یہ حکم نہین کہ لوگ خوجے بنین - یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو سب لوگ اس حکم پر عمل کرنے کے مجاز بنتے تو اس صورت مین بنی آدم کی قطع نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو جاتا اور نیز اگر اس طرح پر عفت حاصل کرنی ہو کہ عضو مردی کو کاٹ دین تو یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز جبکہ ثواب کا تمام مدار اس بات پر ہے کہ ایک قوت موجود ہو اور پھر انسان خدا تعالے کا خوف کر کے اس قوت کے خراب جذبات کا مقابلہ کرتا رہے اور اسکے منافع سے فایدہ اٹھا کر دو طور کا ثواب حاصل کرے - پس ظاہر ہے کہ ایسے عضو کے ضایع کر دینے مین دونون ثوابون سے محروم رہا - ثواب تو جذبہ مخالفانہ کے وجود اور پھر اس کے مقابلہ سے ملتا ہے مگر جس مین بچہ کی طرح وہ قوت ہی نہین رہی اس کو کیا ثواب ملے گا - کیا بچہ کو اپنی عفت کا ثواب مل سکتا ہے ؟

ان آیات مین خدا تعالے نے خلق احصان یعنے عفت کے حاصل کرنے کے لیئے صرف اعلے تعلیم ہی نہین فرمائی بلکہ انسان کو پاک دامن رہنے کے لیئے پانچ علاج بھی بتلا دیئے ہین یعنے یہ کہ اپنی آنکھون کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا - کانون کو نامحرمون کی آواز سننے سے بچانا - نامحرمون کے قصے نہ سننا - اور ایسی تمام تقریبون سے جن مین اس بدفعل کا اندیشہ ہو اپنے تئین بچانا - اگر نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ -

اس جگہ ہم بڑے دعوے کے ساتھ کہتے ہین کہ یہ اعلے تعلیم ان سب تدبیرون کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہین صرف اسلام سے ہی خاص ہے - اور اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوات کا منبع ہے جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہین ہو سکتا یہی ہے کہ اس کے جذبات شہوت محل اور موقع پا کر جوش مارنے سے رہ نہین سکتے - یا یون کہو کہ سخت خطرہ مین پڑ جاتے ہین اس لیئے خدا تعالے نے ہمین یہ تعلیم نہین دی کہ ہم نامحرم عورتون کو

پاکدامن رہنے کے لئے پانچ علاج:

بلاتکلف دیکھ تو لیا کریں اور ان کی تمام زینتوں پر نظر ڈال لیں اور ان کے تمام انداز ناچنا وغیرہ مشاہدہ کر لیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں اور نہ یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سن لیں اور ان کے حسن کے قصے بھی سنا کریں۔ لیکن پاک خیال سے سنیں بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور ان کی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں۔ نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے اور ان کی خوش الحانی کی آوازیں اور ان کے حسن کے قصے نہ سنیں نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے بلکہ ہمیں چاہیئے کہ اُن کے سننے اور دیکھنے سے نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے تا ٹھوکر نہ کھاویں کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش آویں۔ سو چونکہ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ہماری.... آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں اس لئے اس نے یہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم فرمائی اس میں کیا شک ہے کہ بے قیدی ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے اگر ہم ایک بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھدیں اور پھر امید رکھیں کہ اس کتّے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ سو خدا تعالےٰ نے چاہا کہ نفسانی قویٰ کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی بھی تقریب پیش نہ آوے جس سے بد خطرات جنبش کر سکیں۔

اسلامی پردہ کی یہی فلاسفی اور یہی ہدایت شرعی ہے۔ خدا کی کتاب میں پردہ سے یہ مراد نہیں کہ فقط عورتوں کو قیدیوں کی طرح حراست میں رکھا جائے یہ ان نادانوں کا خیال ہے جن کو اسلامی طریقوں کی خبر نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ عورت مرد دونوں کو آزاد نظر اندازی اور اپنی زینتوں کے دکھانے سے روکا جائے کیونکہ اس میں دونوں مرد اور عورت کی بھلائی ہے۔ بالآخر یاد رہے کہ خوابیدہ نگاہ سے غیر محل پر نظر ڈالنے سے اپنے تئیں بچا لینا اور دوسری جائز النظر چیزوں کو دیکھنا اس طریق کو عربی میں غضّ بصر کہتے ہیں اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہیئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے۔ بلکہ اس کے لئے اس تمدنی زندگی میں غضّ بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائے گی اور اس کی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑیگا۔ یہی وہ خُلق ہے جس کو احصان اور عفت کہتے ہیں۔

دوسری قسم ترک شر کے اقسام میں سے وہ خُلق ہے جس کو امانت و دیانت کہتے ہیں یعنے دوسرے کے مال پر شرارت اور بدنیتی سے قبضہ کر کے اس کو ایذا پہونچانے پر راضی

نہ ہوتا۔ سو واضح ہو کہ دیانت اور امانت انسان کی طبعی حالتون مین سے ایک حالت ہے اسی واسطے
ایک بچہ شیر خوار بھی جو بوجہ کم سنی اپنی طبعی سادگی پر ہوتا ہے اور نیز بباعث صغر سنی ابھی
بری عادتوں کا عادی نہین ہوتا۔ اس قدر غیر کی چیز سے نفرت رکھتا ہے کہ غیر عورت کا دودھ
بھی مشکل سے پیتا ہے اور اگر بیہوشی کے زمانہ مین کوئی اور دایہ مقرر نہ ہو تو ہوش کے زمانہ
مین اس کو دوسرے کا دودھ پلانا نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور اپنی جان پر بہت تکلیف اٹھاتا
ہے اور ممکن ہے کہ اس تکلیف سے مرنے کے قریب ہو جائے مگر دوسری عورت کے دودھ
سے طبعاً بیزار ہوتا ہے اس قدر نفرت کا کیا بھید ہے؟ بس یہی کہ وہ والدہ کو چھوڑ کر غیر کی چیز کی
... طرف رجوع کرنے سے طبعاً متنفر ہے۔ اب ہم جب ایک گہری نظر سے بچہ کی اس عادت
کو دیکھتے اور اس پر غور کرتے ہین اور فکر کرتے کرتے اس کی اس عادت کی تہ تک چلے جاتے
ہین تو ہم پر صاف کھل جاتا ہے کہ یہ عادت جو غیر کی چیز سے اس قدر نفرت کرتا کہ اپنے اوپر مصیبت
ڈال لیتا ہے یہی جڑ دیانت اور امانت کی ہے اور دیانت کے خلق مین کوئی شخص راستباز
نہین ٹھہر سکتا جب تک بچہ کی طرح غیر کے مال کے بارے مین بھی سچی نفرت اور کراہت اسکو
دل مین پیدا نہ ہو جائے۔ لیکن بچہ اس عادت کو اپنے محل پر استعمال نہین کرتا اور اپنی بیوقوفی
کے سبب سے بہت کچھ تکلیفین اٹھا لیتا ہے لہذا اس کی یہ عادت صرف ایک حالت طبعی
ہے جس کو وہ بے اختیار ظاہر کرتا ہے اس لیئے وہ حرکت اس کے خلق مین داخل نہین ہو سکتی
گو انسانی سرشت مین اصل جڑ خلق دیانت اور امانت کی وہی ہے جیسا کہ بچہ اس غیر معقول حرکت
سے متدین اور امین نہین کہلا سکتا۔ ایسا ہی وہ شخص بھی اس خلق سے متصف نہین ہو سکتا
جو اس طبعی حالت کو محل پر استعمال نہین کرتا امین اور دیانت دار بننا بہت نازک امر ہے۔ جبتک
انسان اس کے تمام پہلو بجا نہ لاوے امین اور دیانت دار نہین ہو سکتا۔ اس مین اللہ تعالے نے
نمونہ کے طور پر آیات مفصلہ ذیل مین امانت کا طریق سمجھایا ہے اور وہ طریق امانت یہ ہے۔
وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا
لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا
إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ
كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ
بِاللّٰهِ حَسِيبًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ
وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي
بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا۔

ترجمہ۔ یعنے اگر کوئی ایسا تم مین مالدار ہو جو صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے مال کو ضایع کر دے گا تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس کے) وہ تمام مال اس کا متکفل کے طور پر اپنے قبضہ مین لے لو۔ اور وہ تمام مال جس پر سلسلہ تجارت اور معیشت کا چلتا ہے ان بے وقوفون کے حوالہ مت کرو اور اس مال مین سے بقدر ضرورت ان کے کھانے اور پہننے کے لیئے دیدیا کرو اور ان کو اچھی باتین قول معروف کی کہتے رہو یعنے ایسی باتین جن سے ان کی عقل اور تمیز بڑھے اور ایک طور سے ان کے مناسب حال ان کی تربیت ہو جائے اور جاہل اور ناتجربہ کار نہ رہین اگر وہ تاجر کے بیٹے ہین تو تجارت کے طریقے ان کو سکھلاؤ اور اگر کوئی اور پیشہ رکھتے ہون تو اس پیشہ کے مناسب حال ان کو پختہ کر دو۔ غرض ساتھ ساتھ ان کو تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کو وقتاً فوقتاً امتحان بھی کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھلایا انہون نے سمجھا بھی ہے یا نہین پھر جب نکاح کے لایق ہو جاوین یعنے عمر قریباً اٹھارہ برس تک پہنچ جائے اور تم دیکھو کہ ان مین اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہو گئی ہے تو ان کا مال ان کے حوالہ کرو۔ اور فضول خرچی کے طور پر ان کا مال خرچ نہ کرو اور نہ اس خوف سے جلدی کر کے کہ اگر یہ بڑے ہو جائین گے تو اپنا مال لے لین گے۔ ان کے مال کا نقصان کرو۔ جو شخص دولتمند ہو اس کو نہین چاہیئے کہ ان کے مال مین سے کچھ حق الخدمت لیوے۔ لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے۔ عرب مین مالی محافظون کے لیئے یہ طریق معروف تھا کہ اگر یتیمون کے کارپرداز ان کے مال مین سے لینا چاہتے تو حتی الوسع یہ قاعدہ جاری رکھتے کہ جو کچھ یتیم کے مال کو تجارت سے فائدہ ہوتا اس مین سے آپ بھی لیتے راس المال کو تباہ نہ کرتے۔ سو یہ اسی عادت کی طرف اشارہ ہے کہ تم بھی ایسا کرو اور پھر فرمایا کہ جب تم یتیمون کو مال واپس کرنے لگو تو گواہون کے روبرو ان کو ان کا مال دو اور جو شخص فوت ہونے لگے اور بچے اس کے ضعیف اور صغیر السن ہون تو اس کو نہین چاہیئے کہ کوئی ایسی وصیت کرے کہ جس مین بچون کی حق تلفی ہو جو لوگ ایسے طور سے یتیم کا مال کھاتے ہین جس سے یتیم پر ظلم ہو جائے وہ مال نہین بلکہ آگ کھاتے ہین اور آخر جلانے والی آگ مین ڈالے جائین گے۔

اب دیکھو خدا تعالے نے دیانت اور امانت کے کس قدر پہلو بتلائے۔ سو حقیقی دیانت اور امانت وہی ہے جو ان تمام پہلوؤن کے لحاظ سے ہو اور اگر پوری عقلمندی کو دخل دے کر امانت داری مین تمام پہلوؤن کا لحاظ نہ ہو تو ایسی دیانت اور امانت کئی طور سے چھپی ہوئی خیانتین اپنے ہمراہ رکھے گی اور پھر دوسری جگہ فرمایا وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ

بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَ ھُمْ ...... وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۝ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ -

یعنے آپس مین ایک دوسرے کے مال کو ناجایز طور پر مت کھایا کرو اور نہ اپنے مال کو رشوت کے طور پر حکام تک پہونچایا کرو تا اس پر حکام کی اعانت سے دوسرے کے مالون کو دبالو۔ امانتون کو ان کے حقدارون کو واپس دیدیا کرو۔ خدا خیانت کرنے والون کو دوست نہین رکھتا۔ جب تم ماپو تو پورا ماپو۔ جب تم وزن کرو تو پوری اور بے خلل ترازو سے وزن کرو۔ اور کسی طور سے لوگون کو اُن کے مال کا نقصان نہ پہونچاؤ اور فساد کی نیت سے زمین پر مت پھرا کرو یعنے اس نیت سے کہ چوری کرین یا ڈاکہ مارین یا کسی کی جیب کترین یا کسی اور ناجایز طریق سے بیگانہ مال پر قبضہ کرین اور پھر فرمایا کہ تم اچھی چیزون کے عوض مین خبیث اور ردی چیزین نہ دیا کرو یعنے جس طرح دوسرون کا مال دبالینا ناجایز ہے اسی طرح خراب چیزین بیچنا یا اچھی کے عوض مین بری دینا بھی ناجایز ہے ان تمام آیات مین خدا تعالے نے تمام طریقے بددیانتی کے بیان فرمادیئے۔ اور ایسا کلام کلی کے طور پر فرمایا جس مین کسی بددیانتی کا ذکر باہر نہ رہ جائے۔ صرف یہ نہین کہا کہ تو چوری نہ کر۔ تا ایک نادان یہ نہ سمجھ لے کہ چوری میرے لیئے حرام ہے۔ مگر دوسرے ناجایز طریقے سب حلال ہین اس کلمہ جامع کے ساتھ تمام ناجایز طریقون کو حرام ٹھیرانا یہی حکمت بیانی ہے۔ غرض اگر کوئی اس بصیرت سے دیانت اور امانت کا خلق اپنے اندر نہین رکھتا اور ایسے تمام پہلوؤن کی رعایت نہین کرتا۔ وہ اگر دیانت وامانت کو بعض امور مین دکھلائے بھی تو یہ حرکت اس کی خلق دیانت مین داخل نہین سمجھی جائے گی۔ بلکہ ایک طبعی حالت ہوگی جو عقلی تمیز اور بصیرت سے خالی ہے۔

تیسری قسم ترک شر کی اخلاق مین سے وہ قسم ہے کہ جس کو عربی مین ھُدنہ اور ھون کہتے ہین یعنے دوسرے کو ظلم کی راہ سے بدنی آزار نہ پہونچانا اور بے شر انسان ہونا اور صلحکاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ پس بلاشبہ صلحکاری اعلے درجہ کا ایک خلق ہے اور انسانیت کے لیئے ازبس ضروری اور اس خلق کے مناسب حال طبعی قوت جو بچہ مین ہوتی ہے جس کی تعدیل سے یہ خلق بنتا ہے الفت یعنے خوگرفتگی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان صرف طبعی حالت مین یعنے اس حالت مین کہ جب انسان عقل سے بے بہرہ ہو

صلح کے مضمون کو سمجھ نہیں سکتا۔ اور نہ جنگ جوئی کے مضمون کو سمجھ سکتا ہے۔ پس اس وقت جو ایک عادت موافقت کی اس میں پائی جاتی ہے وہی صلح کاری کی عادت کی ایک جڑ ہے لیکن چونکہ وہ عقل اور تدبیر اور خاص ارادہ سے اختیار نہیں کی جاتی اس لئے خلق میں داخل نہیں بلکہ خلق میں تب داخل ہوگی کہ جب انسان بالارادہ اپنے تئیں بشیر بنا کر صلحکاری کے خلق کو اپنے محل پر استعمال کرے اور بے محل استعمال کرنے سے مجتنب رہے اس میں اللہ جلشانہ یہ تعلیم فرماتا ہے وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ۔ اَلصُّلْحُ خَیْرٌ۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ یعنے آپس میں صلح کاری اختیار کرو صلح میں خیر ہے جب وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ خدا کے نیک بندے صلحکاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور اگر کوئی لغویات کسی سے سنیں جو جنگ کا مقدمہ اور لڑائی کی ایک تمہید ہو تو بزرگانہ طور پر طرح دے کر چلے جاتے ہیں اور ادنے ادنے بات پر لڑنا شروع نہیں کر دیتے یعنے جب تک کوئی زیادہ تکلیف نہ پہنچے اس وقت تک ہنگامہ پردازی کو اچھا نہیں سمجھتے اور صلح کاری کے محل شناسی کا یہی اصول ہے کہ ادنے ادنے باتوں کو خیال میں نہ لاویں اور معاف فرماویں اور لغو کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے سو واضح ہو کہ عربی زبان میں لغو اس حرکت کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص شرارت سے ایسی بکواس کرے یا بہ نیت ایذا ایسا فعل اس سے صادر ہو کہ دراصل اس سے کچھ ایسا حرج اور نقصان نہیں پہنچتا۔ سو صلحکاری کی یہ علامت ہے کہ ایسی بیہودہ ایذا سے چشم پوشی فرماویں اور بزرگانہ سیرت عمل میں لاویں لیکن اگر۔۔۔ ایذا صرف لغو کی مد میں داخل نہ ہو بلکہ اس سے واقعی طور پر جان یا مال یا عزت کو ضرر پہنچے تو صلحکاری کے خلق کو اس سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اگر ایسے گناہ کو بخشا جائے تو اس خلق کا نام عفو ہے جس کا انشاء اللہ تعالےٰ اس کے بعد بیان ہوگا اور پھر فرمایا کہ جو شخص شرارت سے کچھ یاوہ گوئی کرے تو تم نیک طریق سے صلحکاری کا اس کو جواب دو۔ تب اس خصلت سے دشمن بھی دوست ہو جائیگا۔ غرض صلحکاری کے طریق سے چشم پوشی کا محل صرف اس درجہ کی بدی ہے جس سے کوئی واقعی نقصان نہ پہنچا ہو۔ صرف دشمن کی۔۔۔ بیہودہ گوئی ہو۔

چوتھی قسم ترک شر کی اخلاق میں سے رفق اور قول حسن ہے اور یہ خلق جس حالت طبعی سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام طلاقت یعنے کشادہ روئی ہے بچہ جب تک کلام کرنے پر

قادر نہین ہوتا بجائے رفق اور قول حسن کے طلاقت دکھلاتا ہے۔ یہی دلیل اس بات پر ہے کہ رفق کی جڑ جہان سے یہ شاخ پیدا ہوتی ہے طلاقت ہے۔ طلاقت ایک قوت ہے اور رفق ایک خلق ہے جو اس قوت کو محل پر استعمال کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس مین خدا تعالے کی تعلیم یہ ہے۔ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔ یعنے لوگون کو وہ باتین کہو جو واقعی طور پر نیک ہون۔ ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے ہو سکتا ہے کہ جن سے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھی ہون۔ بعض عورتین بعض عورتون سے ٹھٹھا نہ کرین ہو سکتا ہے کہ جن سے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھی ہون اور عیب مت لگاؤ اپنے لوگون کے برُے برُے نام مت رکھو۔ بدگمانی کی باتین مت کرو اور نہ عیبون کو کرید کرید کر پوچھو ایک دوسرے کا گلہ مت کرو۔ کسی کی نسبت وہ بہتان یا الزام مت لگاؤ جس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت نہین اور یاد رکھو کہ ہر ایک عضو سے مواخذہ ہوگا اور کان آنکھ دل ہر ایک سے پوچھا جائے گا۔

اب ترک شر کے اقسام ختم ہو چکے اور اب ہم ایصال خیر کے اقسام بیان کرتے ہین۔ دوسری قسم ان اخلاق کی جو ایصال خیر سے تعلق رکھتے ہین پہلا خلق ان مین سے عفو ہے یعنے کسی کے گناہ کو بخشدینا اس مین ایصال خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہونچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اس کو بھی ضرر پہونچایا جائے۔ سزا دلائی جائے قید کرایا جائے جرمانہ کرایا جائے یا آپ ہی اسپر ہاتھ اٹھایا جائے۔ پس اس کو بخشدینا اگر مناسب ہو تو اس کے حق مین ایصال خیر ہے۔ اسمین قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے۔ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ یعنے نیک آدمی وہ ہین جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہین اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخشتے ہین۔ بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہو لیکن جو شخص گناہ کو بخشدے اور ایسے موقع پر بخشے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو یعنے عین عفو کے محل پر ہو نہ غیر محل پر تو اس کا وہ بدلہ پائے گا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآنی تعلیم یہ نہین کہ خواہ نخواہ اور ہر جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ اور

شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دیجائے ۔ بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ محل اور موقع گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا ہے پس مجرم کے حق مین اور نیز عامہ خلایق کے حق مین جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے ۔ پس خدا تعالے فرماتا ہے کہ اندھون کی طرح صرف گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو کہ حقیقی نیکی کس بات مین ہے آیا بخشنے مین یا سزا دینے مین ۔ پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو ۔ افراد انسانی کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ جیسے بعض لوگ کینہ کشی پر بہت حریص ہوتے ہین یہان تک کہ دادون پردادون کے کینون کو یاد رکھتے ہین ایسا ہی بعض لوگ عفو اور درگذر کی عادت کو انتہا تک پہونچا دیتے ہین اور بسا اوقات اس عادت کے افراط سے دیوثی تک نوبت پہونچ جاتی ہے اور ایسے قابل شرم حلم اور عفو اور درگذر ان سے صادر ہوتے ہین جو سراسر حمیت اور غیرت اور عفت کے برخلاف ہوتے ہین بلکہ نیک چلنی پر داغ لگاتے ہین اور ایسے عفو اور درگذر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ توبہ توبہ کر اٹھتے ہین انہی خرابیون کے لحاظ سے قرآن شریف مین ہر ایک خلق کے لیئے محل اور موقع کی شرط لگادی ہے اور ایسے خلق کو منظور نہین رکھا جو بے محل صادر ہو ۔ یاد رہے کہ مجرد عفو کو خلق نہین کہہ سکتے بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچون مین بھی پائی جاتی ہے ۔ بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے تھوڑی دیر کے بعد وہ اس وقعہ کو بھلا دیتا ہے اور پھر اس کے پاس محبت سے جاتا ہے اور اگر ایسے شخص نے اس کے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تب بھی صرف میٹھی بات پر خوش ہو جاتا ہے پس ایسا عفو کسی طرح خلق مین داخل نہین ہوگا ۔ خلق مین اس صورت مین داخل ہوگا جب ہم اس کو محل اور موقع پر استعمال کرین گے ورنہ صرف ایک طبعی قوت ہوگی ۔ دنیا مین بہت تھوڑے ایسے لوگ ہین جو طبعی قوت اور خلق مین فرق کر سکتے ہین ۔ ہم بار بار کہہ چکے ہین کہ حقیقی خلق اور طبعی حالتون مین یہ فرق ہے کہ خلق ہمیشہ محل اور موقع کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور طبعی قوت بے محل ظاہر ہو جاتی ہے یون تو چارپایون مین گائے بھی بے شر ہے اور بکری بھی دل کی غریب ہے مگر ہم ان کو اسی سبب سے ان خلقون سے متصف نہین کہہ سکتے کہ ان کو محل اور موقع کی عقل نہین دی گئی ۔ خدا کی حکیم اور خدا کی ہی اور کامل کتاب نے ہر ایک خلق کے ساتھ محل اور موقع کی شرط لگادی ہے ۔

دوسرا خلق اخلاق ایصال خیر مین سے عدل ہے اور تیسرا احسان اور چوتھا ایتاء ذی القربیٰ جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ

ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ - یعنے اللہ تعالےٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کرو۔ اور اگر عدل سے بڑھکر احسان کا موقع اور محل ہو تو وہان احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھکر قریبون کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرنے کا محل ہو تو وہان طبعی ہمدردی سے نیکی کرو اور اس سے خدا تعالےٰ منع فرماتا ہے کہ تم حدود اعتدال سے آگے گذر جاؤ۔ یا احسان کے بارے مین منکرانہ حالت تم سے صادر ہو جس سے عقل انکار کرے یعنے یہ کہ تم بے محل احسان کرو یا برمحل احسان کرنے سے دریغ کرو یا یہ کہ تم محل پر ایتاء ذی القربےٰ کے خلق مین کچھ کمی اختیار کرو یا حد سے زیادہ رحم کی بارش کرو۔ اس آیت کریمہ مین ایصال خیر کے تین درجون کا بیان ہے اول یہ درجہ کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کی جائے۔ یہ تو کم درجہ ہے اور ادنےٰ درجہ کا بھلا مانس آدمی بھی یہ خلق حاصل کر سکتا ہے کہ اپنے نیکی کرنیوالون کے ساتھ نیکی کرتا رہے۔ دوسرا درجہ اس سے مشکل ہے اور وہ یہ کہ ابتداءً آپ ہی نیکی کرنا اور بغیر کسی حق کے احسان کے طور پر اس کو فایدہ پہونچانا اور یہ خلق اوسط درجہ کا ہے۔ اکثر لوگ غریبون پر احسان کرتے ہین اور احسان مین یہ ایک مخفی عیب ہے کہ احسان کرنے والا خیال کرتا ہے کہ مین نے احسان کیا ہے اور کم سے کم وہ اپنے احسان کے عوض مین شکریہ یا دعا چاہتا ہے اور اگر کوئی ممنون منت اس کا مخالف ہو جائے تو اس کا نام احسان فراموش رکھتا ہے بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے اس پر فوق الطاقت بوجھ ڈال دیتا ہے اور اپنا احسان اس کو یاد دلاتا ہے جیسا کہ احسان کرنے والون کو خدا تعالےٰ متنبہ کرنے کے لئے فرماتا ہے۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی - یعنے اے احسان کرنے والو اپنے صدقات کو جن کی صدق پر بنا چاہیے احسان یاد دلانے اور دکھ دینے کے ساتھ برباد مت کرو یعنے صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے۔ پس اگر دل مین صدق اور اخلاص نہ رہے تو وہ صدقہ صدقہ نہین رہتا بلکہ ایک ریاکاری کی حرکت ہو جاتی ہے غرض احسان کرنے والے مین یہ ایک خامی ہوتی ہے کہ کبھی غصہ مین آکر اپنا احسان بھی یاد دلا دیتا ہے اسی وجہ سے خدا تعالےٰ نے احسان کرنے والون کو ڈرایا۔ تیسرا درجہ ایصال خیر کا خدا تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بالکل احسان کا خیال نہ ہو اور نہ شکرگذاری پر نظر ہو بلکہ ایک ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسا کہ ایک نہایت قریبی مثلاً والدہ محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے سے نیکی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری درجہ ایصال خیر کا ہے جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہین لیکن خدا تعالےٰ نے ان تمام ایصال خیر کی قسمونکو محل اور موقع سے وابستہ کر دیا ہے اور آیت موصوفہ مین صاف فرما دیا ہے کہ اگر یہ نیکیان

اپنے اپنے محل پر مستعمل نہیں ہوں گی تو پھر یہ بدیاں ہو جائیں گی۔ بجائے عدل فحشا یعنے حد سے اتنا تجاوز کرنا کہ ناپاک صورت ہو جائے۔ اور ایسا ہی بجائے احسان کے منکر کی صورت نکل آئے گی۔ یعنے وہ صورت جس سے عقل اور کانشنس انکار کرتا ہے اور بجائے ایتاء ذی القربےٰ کے بغی بن جائیگا یعنے وہ بے محل ہمدردی کا جوش ایک بُری صورت پیدا کرے گا۔ اصل میں بغی اس بارش کو کہتے ہیں جو حد سے زیادہ برس جائے اور کھیتوں کو تباہ کر دے اور حق واجب میں کمی رکھنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور یا حق واجب سے افزونی کرنا بھی بغی ہے۔ غرض ان تینوں میں سے جو محل پر صادر نہیں ہوگا وہی خراب سیرت ہو جائے گی۔ اسی لیے ان تینوں کے ساتھ موقع اور محل کی شرط لگا دی ہے۔ اس جگہ یاد رہے کہ مجرد عدل یا احسان یا ہمدردی ذی القربےٰ کو خلق نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ انسان میں یہ سب طبعی حالتیں اور طبعی قوتیں ہیں کہ جو بچوں میں بھی وجود عقل سے پہلے پائی جاتی ہیں۔ مگر خلق کے لیئے عقل شرط ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ ہر ایک طبعی قوت محل اور موقع پر استعمال ہو۔

اور پھر احسان کے بارے میں اور بھی ضروری ہدایتیں قرآن شریف میں ہیں اور سب کو الف لام کے ساتھ جو خاص کرنے کے لیئے آتا ہے استعمال فرما کر موقع اور محل کی رعایت کیطرف اشارہ فرمایا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ۔ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا۔ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوْنَھَا تَفْجِیْرًا۔ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۔ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ۔ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا۔ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ۔ وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ۔ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَ

وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ہ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی
وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ
وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ہ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ
وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ترجمہ یہ ہے کہ اے
ایمان والو تم ان مالوں میں سے لوگوں کو بطریق سخاوت یا احسان یا صدقہ وغیرہ دو جو تمھاری پاک کمائی ہے یعنی
جس میں چوری یا رشوت یا خیانت یا غبن کا مال یا ظلم کے روپیہ کی آمیزش نہیں اور یہ قصد تمھارے دل سے
دور رہے کہ ناپاک مال لوگوں کو دو اور دوسری یہ بات ہے کہ اپنی خیرات اور مروت کو احسان رکھنے اور دکھ
دینے کے ساتھ باطل مت کرو یعنی اپنے ممنون منت کو کبھی یہ نہ جتلاؤ کہ ہمنے تجھے یہ دیا تھا اور نہ اسکو
دکھ دو کیونکہ اسطرح تمھارا احسان باطل ہوگا اور نہ ایسا طریق پکڑو کہ تم اپنے مالوں کو ریاکاری کیساتھ
خرچ کرو۔ خدا کی مخلوق سے احسان کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے جو لوگ حقیقی نیکی
کرنیوالے ہیں انکو وہ جام پلائے جائینگے جنکی ملونی کافور کی ہوگی یعنی دنیا کی سوزشیں اور حسرتیں اور ناپاک خواہشیں
ان کے دلسے دور کر دیجائینگی۔ کافور کفر سے مشتق ہے اور کفر لغت عرب میں دبانے اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں مطلب
یہ کہ ان کے جذبات ناجائز دبائے جائینگے اور وہ پاک باطن ہو جائینگے اور معرفت کی خنکی انکو پہنچیگی پھر فرماتا ہے
کہ وہ لوگ قیامت کو اس چشمہ کا پانی پئیں گے جسکو وہ آج اپنے ہاتھ سے چیر رہے ہیں۔ اسجگہ بہشت کی فلاسفی
کا ایک گہرا راز بتلایا ہے جسکو سمجھنا ہو سمجھ لے۔ اور پھر فرمایا ہے کہ حقیقی نیکی کرنے والوں کی یہ خصلت ہے کہ وہ
محض خدا کی محبت کیلیے وہ کھانے جو آپ پسند کرتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ ہم تمپر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ یہ کام صرف اسبات کیلیے کرتے ہیں کہ خدا ہمسے راضی ہو اور اسکے منہ
کے لیے یہ خدمت ہے ہم تمسے نہ تو کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارا شکر کرتے پھرو یہ اشارہ اس
بات کی طرف ہے کہ ایصال خیر کی تیسری قسم جو محض ہمدردی کے جوش سے ہے وہ طریق بجالاتے ہیں جو نیکوں کی عادت
ہوتی ہے کہ خدا کی رضاجوئی کیلیے اپنے قریبوں کو اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور نیز اس مال میں سے یتیموں کے
تعہد اور انکی پرورش اور تعلیم وغیرہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور مسکینوں کو فقر و فاقہ سے بچاتے ہیں اور مسافروں
اور سوالیوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان مالوں کو غلاموں کو آزاد کرانیکے لیے اور قرضداروں کو سبکدوش کرنے کے لیے بھی
دیتے ہیں اور اپنے خرچوں میں نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ تنگدلی کی عادۃ رکھتے ہیں اور میانہ روش چلتے ہیں پیوند
کرنیکی جگہ پر پیوند کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں اور انکے مالوں میں سوالیوں اور بے زبانوں کا حق بھی ہے
بے زبانوں سے مراد کتے بلیاں چڑیاں بیل گدھے بکریاں اور دوسری چیزیں ہیں وہ تکلیفوں اور کم آمدنی کی حالت
اور قحط کے دنوں میں سخاوت سے دلتنگ نہیں ہو جاتے بلکہ تنگی کی حالتوں میں بھی اپنی مقدور کیموافق سخاوت کرتے رہتے
ہیں وہ کبھی پوشیدہ خیرات کرتے ہیں اور کبھی ظاہر پوشیدہ اسلیے کہ تا ریاکاری سے بچیں اور ظاہر اسلیے کہ تا

دوسروں کو ترغیب دیں۔ خیرات اور صدقات وغیرہ پر جو مال دیا جائے اس میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ پہلے جس قدر محتاج ہیں انکو دیا جائے۔ ہاں جو خیرات کے مال کا تعہد کریں یا اسکے لیے انتظام و اہتمام کریں انکو خیرات کے مال سے کچھ مل سکتا ہے اور نیز کسیکو بدی سے بچانیکے لیے بھی اس مال میں سے دے سکتے ہیں۔ ایسا ہی وہ مال غلاموں کے آزاد کرنے کے لیے اور محتاج اور قرضداروں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کیلیے بھی اور دوسری راہوں میں جو محض خدا کے لیے ہوں خرچ ہوگا۔ تم حقیقی نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے جبتک کہ بنی نوع کی ہمدردی میں وہ مال خرچ نہ کرو جو تمھارا پیارا مال ہے۔ غریبوں کا حق ادا کرو مسکینوں کو دو مسافروں کی خدمت کرو اور فضولیوں سے اپنے تئیں بچاؤ یعنی بیاہوں شادیوں میں اور طرح طرح کی عیاشی کی جگہوں میں اور لڑکا پیدا ہونے کی رسوم میں جو اسراف سے مال خرچ کیا جاتا ہے اس سے اپنے تئیں بچاؤ۔ تم ماں باپ سے نیکی کرو اور قریبیوں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور ہمسایہ سے جو تمھارا قریبی ہے اور ہمسایہ سے جو بیگانہ ہے اور مسافر سے اور نوکر اور غلام اور گھوڑے اور بکری اور بیل اور گائے سے اور حیوانات سے جو تمھارے قبضہ میں ہوں کیونکہ خدا کو جو تمھارا خدا ہے یہی عادتیں پسند ہیں۔ وہ لاپرواہوں اور خود غرضوں سے محبت نہیں کرتا اور ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخیل ہیں اور لوگوں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے مال کو چھپاتے ہیں یعنی محتاجوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ✦

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے وہ حالت ہے جو شجاعت سے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ شیر خوار بچہ بھی اسی قوت کی وجہ سے کبھی آگ میں ہاتھ ڈالنے لگتا ہے کیونکہ انسان کا بچہ بباعث فطرتی جوہر غلبہ انسانیت کے ڈرانیوالے نمونوں سے پہلے کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتا۔ اس حالت میں انسان نہایت بیباکی سے شیروں اور دوسرے جنگلی درندوں کا بھی مقابلہ کرتا ہے اور تن تنہا مقابلہ کیلیے کئی آدمیوں کی لڑنیکے لیے نکلتا ہے اور لوگ جانتے ہیں کہ بڑا بہادر ہے لیکن یہ صرف ایک طبعی حالت ہے کہ اور درندوں میں بھی پیدا ہوتی ہے بلکہ کتوں میں بھی پائی جاتی ہے اور حقیقی شجاعت جو محل اور موقع کے ساتھ خاص ہے اور جو اخلاق فاضلہ میں سے ایک خلق ہے وہ ان محل اور موقع کے امور کا نام ہے جنکا ذکر خدا تعالیٰ کے پاک کلام میں اس طرح آیا ہے وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ یعنی بہادر وہ ہیں کہ جب لڑائی کا موقع آ پڑے یا ان پر کوئی مصیبت آ پڑے تو بھاگتے نہیں ان کا صبر لڑائی اور سختیوں کے وقت میں خدا کی رضامندی کے لیے ہوتا ہے اور اس کے چہرہ کے طالب ہوتے ہیں نہ کہ بہادری دکھلانیکے۔ انکو ڈرایا جاتا ہے کہ لوگ تمھیں سزا دینے کے لیے اتفاق کر گئے ہیں سو تم لوگوں سے ڈرو

پس ڈرانے سے اور بھی اُن کا ایمان بڑھتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ خدا ہمیں کافی ہے یعنی انکی شجاعت
درندوں اور کتوں کی طرح نہیں ہوتی جو صرف طبعی جوش پر مبنی ہو جس کا ایک ہی پہلو پر میل ہو
بلکہ انکی شجاعت دو پہلو رکھتی ہے کبھی تو وہ اپنی ذاتی شجاعت سے اپنے نفس کے جذبات کا مقابلہ
کرتے ہیں اور اسپر غالب آتے ہیں اور کبھی جب دیکھتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ قرین مصلحت ہے تو نہ صرف
جوش نفس سے بلکہ سچائی کی مدد کے لیے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں مگر نہ اپنے نفس کا بھروسہ کرکے
بلکہ خدا پر بھروسہ کرکے بہادری دکھاتے ہیں اور انکی شجاعت میں ریاکاری اور خود بینی نہیں ہوتی
اور نہ نفس کی پیروی بلکہ ہر ایک پہلو سے خدا کی رضا مقدم ہوتی ہے۔ ان آیات میں یہ سمجھایا
گیا ہے کہ حقیقی شجاعت کی جڑ صبر اور ثابت قدمی ہے اور ہر ایک جذبہ نفسانی یا بلا جو دشمنوں کی
طرح حملہ کرے اسکے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا اور بُزدل ہو کر بھاگ نہ جانا یہی شجاعت ہے سو انسان
اور درندہ کی شجاعت میں بڑا فرق ہے درندہ ایک ہی پہلو پر جوش اور غضب سے کام لیتا ہے اور
انسان جو حقیقی شجاعت رکھتا ہے وہ مقابلہ اور ترک مقابلہ میں جو کچھ قرین مصلحت ہو وہ اختیار کرلیتا ہے۔

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اُسکی فطرت کا خاصہ ہے سچائی ہے انسان جبتک کوئی غرض
نفسانی اسکی محرک نہ ہو جھوٹھ بولنا نہیں چاہتا اور جھوٹھ کے اختیار کرنے میں ایک طرح کی نفرت اور قبض
اپنے دل میں پاتا ہے اسی وجہ سے جس شخص کا صریح جھوٹھ ثابت ہو جائے اُس سے ناخوش ہوتا ہے اور اُسکو
تحقیر کی نظر سے دیکھتا ہے لیکن صرف یہی طبعی حالت اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی بلکہ بچے اور دیوانے
بھی اس کے پابند رہ سکتے ہیں۔ سو اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ان نفسانی اغراض سے علیحدہ
نہ ہو جو راست گوئی سے روک دیتی ہیں تب تک حقیقی طور پر راست گو نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اگر انسان
صرف ایسی باتوں میں سچ بولے جنمیں اس کا چنداں حرج نہیں اور اپنی عزت یا مال یا جان کے نقصان
کے وقت جھوٹھ بولجائے اور سچ بولنے سے خاموش رہے تو اسکو دیوانوں اور بچوں پر کیا فوقیت ہے کیا پاگل
اور نابالغ لڑکے بھی ایسا سچ نہیں بولتے دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا کہ جو بغیر کسی تحریک کے خواہ نخواہ
جھوٹھ بولے پس ایسا سچ جو کسی نقصان کے وقت چھوڑا جائے حقیقی اخلاق میں ہرگز داخل نہیں ہوگا
سچ کے بولنے کا بڑا بھاری محل اور موقع وہی ہے جسمیں اپنی جان یا مال یا آبرو کا اندیشہ ہو اس میں خدا
کی تعلیم ہے فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔ ولا یاب
الشہداء اذا ما دعوا۔ ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمہا فانہ اثم قلبہ۔
واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو
علی انفسکم او الوالدین والاقربین۔ ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الا
تعدلوا۔ والصادقین والصادقات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ لا

يشهدون الزور - ترجمہ - بتوں کی پرستش اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو یعنی جھوٹ بھی ایک بُت ہے جس پر بھروسہ کرنے والا خدا کا بھروسہ چھوڑ دیتا ہے۔ سو جھوٹ بولنے سے خدا بھی ہاتھ سے جاتا ہے اور پھر فرمایا کہ جب تم سچی گواہی کے لیے بُلائے جاؤ تو جانے سے انکار مت کرو اور سچی گواہی کو مت چھپاؤ اور جو چھپائیگا اُسکا دل گنہگار ہے اور جب تم بولو تو وہی بات مُنہ پر لاؤ جو سراسر سچ اور عدالت کی بات ہے اگرچہ تم اپنے کسی قریبی پر گواہی دو۔ حق اور انصاف پر قائم ہو جاؤ اور چاہیے کہ ہر ایک گواہی تمھاری خدا کے لیے ہو۔ جھوٹ مت بولو اگرچہ سچ بولنے سے تمھاری جانوں کو نقصان پہونچے یا اس سے تمھارے ماں باپ کو ضرر پہونچے اور قریبیوں کو جیسے بیٹے وغیرہ کو۔ اور چاہیے کہ کسی قوم کی دشمنی تمھیں سچی گواہی سے نہ روکے سچے مرد اور سچی عورتیں بڑے بڑے اجر پائیں گے۔ ان کی عادت ہے کہ اوروں کو بھی سچ کی نصیحت دیتے ہیں اور جھوٹوں کی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے +

منجملہ انسان کے طبعی امور کے ایک صبر ہے جو اسکو ان مصیبتوں اور بیماریوں اور دکھوں پر کرنا پڑتا ہے جو اسپر ہمیشہ پڑتے رہتے ہیں اور انسان بہت سے سیاپے اور جزع فزع کے بعد صبر اختیار کرتا ہے لیکن جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی پاک کتاب کے رو سے وہ صبر اخلاق میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ ایک حالت ہے جو تھک جانے کے بعد ضرورتاً ظاہر ہو جاتی ہے یعنی انسان کی طبعی حالتوں میں سے یہ بھی ایک حالت ہے کہ وہ مصیبت کے ظاہر ہونیکے وقت پہلے روتا چیختا سر پیٹتا ہے آخر بہت سا بخار نکالکر جوش تھم جاتا ہے اور انتہا تک پہنچکر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے پس یہ دونوں حرکتیں طبعی حالتیں ہیں انکو خلق سے کچھہ تعلق نہیں بلکہ اسکے متعلق خلق یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنے ہاتھ سے جاتی رہے تو اس چیز کو خدا تعالیٰ کی امانت سمجھکر کوئی شکایت مُنہ پر نہ لاوے اور یہ کہے کہ خدا کا تھا خدا نے لیلیا اور ہم اُسکی رضا کے ساتھ راضی ہیں اسکے متعلق خدا تعالیٰ کا پاک کلام قرآن شریف ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ - یعنی اے مومنو ہم تمھیں اسطرح پر آزماتے رہینگے کہ کبھی کوئی خوفناک حالت تم پر طاری ہوگی اور کبھی فقر و فاقہ تمھارے شامل حال ہوگا اور کبھی تمھارا مالی نقصان ہوگا اور کبھی جانوں پر آفت آئیگی اور کبھی اپنی محنتوں میں ناکام رہوگے اور حسب المراد نتیجے کوششوں کے نہیں نکلیں گے اور کبھی تمھاری پیاری اولاد مرے گی پس ان لوگوں کو خوشخبری ہو کہ جب انکو کوئی مصیبت پہونچے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چیزیں اور اسکی امانتیں اور اُسکے مملوک ہیں۔ پس حق یہی ہے کہ جس کی امانت ہے اسکی طرف رجوع کرے یہی لوگ ہیں جنپر خدا کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو خدا کی راہ کو پا گئے۔ غرض اس خُلق کا نام صبر اور رضا برضاء الٰہی ہے اور ایک طور سے اس خلق کا نام عدل بھی ہے کیونکہ جبکہ خدا تعالیٰ

انسان کی تمام زندگی میں اسکی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور ہزار ہزار ہا باتیں اسکی مرضی کے موافق ظہور میں لاتا ہے اور انسان کی خواہش کے مطابق اسقدر نعمتیں اسکو دیرکھی ہیں کہ انسان شمار نہیں کرسکتا تو پھر یہ شرط انصاف نہیں کہ اگر وہ کبھی اپنی مرضی بھی منوانا چاہے تو انسان منحرف ہو اور اس کی رضا کے ساتھ راضی نہ ہو اور چون و چرا کرے یا بے دین اور بے راہ ہو جاوے ؛

اور منجملہ انسان کے طبعی امور کے جو اس کی طبیعت کے لازم حال ہیں ہمدردی خلق کا ایک جوش ہے قومی حمایت کا ایک جوش بالطبع ہر ایک مذہب کے لوگوں میں پایا جاتا ہے اور اکثر لوگ طبعی جوش سے اپنی قوم کی ہمدردی کیلیے دوسروں پر ظلم کر دیتے ہیں گویا انھیں انسان نہیں سمجھتے . سو اس حالت کو خلق نہیں کہہ سکتے یہ فقط ایک طبعی جوش ہے اور اگر غور سے دیکھا جاوے تو یہ حالت طبعی کوؤں وغیرہ پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ ایک کوّے کے مرنے پر ہزار ہا کوّے جمع ہو جاتے ہیں لیکن یہ عادت انسانی اخلاق میں اُس وقت داخل ہوگی جبکہ ہمدردی انصاف اور عدل کی رعایت سے محل اور موقع پر ہو اُس وقت یہ ایک عظیم الشان خلق ہوگا جس کا نام عربی میں مواسات اور فارسی میں ہمدردی ہے اسی کی طرف اللہ جلشانہٗ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۔ یعنی اپنی قوم کی ہمدردی اور اعانت فقط نیکی کے کاموں میں کرنی چاہیے اور ظلم اور زیادتی کے کاموں میں انکی اعانت ہرگز نہیں کرنی چاہیے اور قوم کی ہمدردی میں سرگرم رہو تھکو مت اور خیانت کرنیوالوں کی طرف سے مت جھگڑو جو خیانت کرنے سے باز نہیں آتے خدا تعالیٰ خیانت پیشہ لوگوں کو دوست نہیں رکھتا ؛

منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اسکی فطرۃ کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک برتر ہستی کی تلاش ہے جس کے لیے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے اور اس تلاش کا اثر اسی وقت سے ہونے لگتا ہے جبکہ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے روحانی خاصیت اپنی جو دکھاتا ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جھکا جاتا ہے اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے اور پھر جیسے جیسے حواس اُس کے کھلتے جاتے ہیں اور شگوفہ فطرت اس کا کھلتا جاتا ہے یہ کشش محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ روپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے پھر تو یہ ہوتا ہے کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا اور پورا آرام اسکا اسی کے کنار عاطفت میں ہوتا ہے اور اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جاوے اور دور ڈالدیا جاوے[۲] تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے اور اس کے بغیر کسی طرح آرام نہیں پاتا سو وہ کشش محبت جو اسکو اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے وہ کیا چیز ہے ؟ درحقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبود حقیقی کیلیے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان

[۲] تو تمام عیش اسکا تلخ ہو جاتا ہے اور اگرچہ اس کے آگے نعمتوں کا ایک ڈھیر ڈالدیا جاوے

تعلق محبت پیدا کرتا ہے درحقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے درحقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے گویا دوسری چیزوں کو اٹھا اٹھا کر ایک گم شدہ چیز کی تلاش کر رہا ہے جس کا اب نام بھول گیا ہے سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے گیت کی طرف اسکی روح کا کھینچے جانا درحقیقت اسی گمشدہ محبوب کی تلاش ہے اور چونکہ انسان اس دقیق در دقیق ہستی کو جو آگ کیطرح ہر ایک میں مخفی اور سب پر پوشیدہ ہے اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا اور نہ اپنی ناتمام عقل سے اسکو پا سکتا ہے اسلیے اسکی معرفت کے بارے میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگی ہیں اور سہوکاریوں سے اسکا حق دوسرے کو دیا گیا ہے خدا نے قرآن شریف میں یہ خوب مثال دی ہے کہ دنیا ایک ایسے شیش محل کیطرح ہے جس کی زمین کا فرش نہایت مصفا شیشوں سے کیا گیا ہے اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا ہے جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشوں پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو بھی پانی سمجھ لیتی ہے اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسا کہ پانی سے ڈرنا چاہیے حالانکہ وہ درحقیقت شیشے ہیں مگر صاف شفاف سو یہ بڑے بڑے اجرام جو نظر آتے ہیں جیسے آفتاب و ماہتاب وغیرہ یہ وہی صاف شیشے ہیں جنکی غلطی سے پرستش کیگئی اور ان کے نیچے ایک اعلیٰ طاقت کام کر رہی ہے جو ان شیشوں کے پردہ میں پانی کی طرح بڑی تیزی سے چل رہی ہے اور مخلوق پرستوں کی نظر کی یہ غلطی ہے کہ انہی شیشوں کی طرف کام کو منسوب کر رہی ہیں جو ان کے نیچے کی طاقت دکھلا رہی ہے یہی تفسیر اس آیۃ کریمہ کی ہے اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔ غرض چونکہ خدا تعالیٰ کی ذات باوجود نہایت روشن ہونے کے پھر بھی نہایت مخفی ہوتی ہے اسلیے اسکی شناخت کیلیے صرف یہ نظام جسمانی جو ہماری نظروں کے سامنے ہے کافی نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ایسے نظام پر مدار رکھنے والے باوجودیکہ اس ترتیب ابلغ اور محکم کو جو صدہا عجائبات پر مشتمل ہے نہایت غور کی نظر سے دیکھتے رہے بلکہ ہیئت اور طبعی اور فلسفہ میں وہ مہارتیں پیدا کیں کہ گویا زمین و آسمان کے اندر دھس گئے مگر پھر بھی شکوک اور شبہات کی تاریکی سے نجات نہ پا سکے اور اکثر وں کے طرح طرح کی خطاؤں میں مبتلا ہو گئے اور بیہودہ اوہام میں پڑ کر کہیں کے کہیں چلے گئے اور اگر انکو اس صانع کے وجود کی طرف کچھ خیال بھی آیا تو بس اسی قدر کہ اس اعلیٰ اور عمدہ نظام کو دیکھ کر یہ ان کے دل میں پڑا کہ اس عظیم الشان سلسلہ کا جو پر حکمت نظام اپنے ساتھ رکھتا ہے کوئی پیدا کرنے والا ضرور چاہیے مگر ظاہر ہے کہ یہ خیال ناتمام اور یہ معرفت ناقص ہے کیونکہ یہ کہنا کہ اس سلسلہ کے لیے ایک خدا کی ضرورت ہے اس دوسرے کلام سے ہرگز مساوی نہیں کہ وہ خدا درحقیقت ہے بھی۔ غرض یہ انکی صرف قیاسی معرفت تھی جو دلکو اطمینان اور سکینت نہیں بخش سکتی اور نہ شکوک کو کلی دل سے اٹھا سکتی ہے اور نہ یہ ایسا پیالہ ہے جس سے وہ پیاس معرفت تامہ کی بجھ سکے جو انسان کی فطرت کو لگائی گئی ہے بلکہ ایسی معرفت ناقصہ نہایت

پرخطر ہوتی ہے کیونکہ بہت شور ڈالنے کے بعد پھر آخر ہیچ اور نتیجہ ندارد ہے۔ غرض جبتک خود خدا تعالےٰ اپنے موجود ہونیکو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے جیساکہ اُس نے اپنے کام سے ظاہر کیا تب تک صرف کام کا ملاحظہ تسلی بخش نہیں ہے مثلاً اگر ہم ایک ایسی کوٹھری کو دیکھیں جسمیں یہ بات عجیب ہو کہ اندر سے کنڈیاں لگائی گئی ہیں تو اس فعل سے ہم ضرور اول یہ خیال کرینگے کہ کوئی انسان اندر ہے جسنے اندر سے زنجیر کو لگایا ہے کیونکہ باہر سے اندر کی زنجیر ونکو لگانا غیر ممکن ہے لیکن جب ایک مدت تک بلکہ برسوں تک باوجود بار بار آواز دینے کے اس انسان کیطرف سے کوئی آواز نہ آوے تو آخر یہ رائے ہماری کہ کوئی اندر ہے بدلجائے گی اور یہ خیال کرینگے کہ اندر کوئی نہیں بلکہ کسی حکمت عملی سے اندر کی کنڈیاں لگائی گئی ہیں یہی حال ان فلاسفروں کا ہے جنھوں نے صرف فعل کے مشاہدہ پر اپنی معرفت کو ختم کر دیا ہے یا بڑی غلطی ہے جو خدا کو ایک مردہ کیطرح جسکو قبر سے نکالنا صرف انسان کا کام ہے۔ اگر خدا ایسا ہے جو صرف انسانی کوشش نے اسکا پتا لگایا ہے تو ایسے خدا کی نسبت ہماری سب اُمیدیں عبث ہیں بلکہ خدا تو وہی ہے جو ہمیشہ سے اور قدیم سے آپ انا الموجود کہکر لوگونکو اپنی طرف بُلا رہا ہے یہ بڑی گستاخی ہوگی کہ ہم ایسا خیال کریں کہ اسکی معرفت میں انسان کا احسان اسپر ہے اور اگر فلاسفر نہ ہوتے تو گویا وہ گم کا گم ہی رہتا اور یہ کہنا کہ خدا کیونکر بول سکتا ہے کیا اسکی زبان ہے یہ بھی ایک بڑی بیباکی ہے کیا اس نے جسمانی ہاتھوں کے بغیر تمام آسمانی اجرام اور زمین کو نہیں بنایا کیا وہ جسمانی آنکھوں کے بغیر تمام دنیا کو نہیں دیکھتا۔ کیا وہ جسمانی کانوں کے بغیر ہماری آوازیں نہیں سُنتا۔ پس کیا ضروری نہ تھا کہ اسی طرح وہ کلام بھی کرے یہ بات بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کہ خدا کا کلام کرنا آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے۔ ہم اسکے کلام اور مخاطبات پر کسی زمانہ تک مہر نہیں لگاتے بیشک وہ اب بھی ڈھونڈنے والونکو الہامی چشمہ سے مالا مال کرنیکو طیار ہے جیساکہ پہلے تھا اور اب بھی اسکے فیضان کے ایسے دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ ہاں ضرورتوں کے ختم ہونے پر شریعتیں اور حدود ختم ہوگئیں اور تمام رسالتیں اور نبوتیں اپنے آخری نقطہ پر آکر جو ہمارے سید و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود تھا کمال کو پہونچ گئیں۔ اس آخری نور کا عرب سے ظاہر ہونا بھی خالی حکمت سے نہ تھا عرب وہی بنی اسماعیل کی قوم تھی جو اسرائیل سے منقطع ہوکر حکمۃ الٰہی سے بیابان فاران میں ڈالدیگئی تھی اور فاران کے معنے ہیں دو فرار کرنیوالے یعنی بھاگنے والے۔ پس جنکو حضرت ابراہیم نے بنی اسرائیل سے علیحدہ کردیا تھا انکا توریت کی شریعت میں کچھہ حصہ نہیں رہا تھا جیساکہ لکھا ہے کہ وہ اسحٰق کے ساتھہ حصہ نہیں پائینگے۔ پس تعلق والوں نے انھیں چھوڑ دیا اور کسی دوسرے سے انکا تعلق اور رشتہ نہ تھا دوسرے تمام ملکوں میں کچھہ کچھہ رسوم عبادات اور احکام کی پائی جاتی تھیں جن سے پتا لگتا ہے کہ کسی وقت انکو نبیوں کی تعلیم پہونچی تھی۔ مگر صرف عرب کا مُلک ہی ایک ایسا ملک تھا جو ان تعلیموں سے محض ناواقف تھا اور تمام جہان سے پیچھے رہا ہوا تھا اس لیے آخر میں اسکی نوبت آئی اور اس کی نبوۃ عام ٹھیری

تا تمام ملکوں کو دوبارہ برکات کا حصہ دیوے اور جو غلطی پڑ گئی تھی اسکو نکال دے پس ایسی کامل کتاب کے بعد کس کتاب کا انتظار کریں جسنے سارا کام انسانی اصلاح کا اپنے ہاتھ میں لیلیا اور پہلی کتابوں کی طرح صرف ایک قوم سے واسطہ نہیں رکھا بلکہ تمام قوموں کی اصلاح چاہی اور انسانی تربیت کے تمام مراتب بیان فرمائے وحشیوں کو انسانیت کے آداب سکھائے پھر انسانی صورت بنانیکے بعد اخلاق فاضلہ کا سبق دیا۔ یہ قرآن نے ہی دنیا پر احسان کیا کہ طبعی حالتوں اور اخلاق فاضلہ میں فرق کر کے دکھلایا اور جب طبعی حالتوں سے نکالکر اخلاق فاضلہ کے محل عالی تک پہنچایا تو فقط اسی پر کفایت نہ کی بلکہ اور مرحلہ جو باقی تھا یعنی روحانی حالتوں کا مقام اس تک پہونچنے کیلیے پاک معرفت کے دروازے کھولدیے اور نہ صرف کھولدیے بلکہ لاکھوں انسانوں کو اس تک پہنچا بھی دیا۔ اور اسطرح پر تینوں قسم کی تعلیم جسکا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کمال خوبی سے بیان فرمائی۔ پس چونکہ وہ تمام تعلیموں کا جنپر دینی تربیت کی ضرورتوں کا مدار ہے کامل طور پر جامع ہے اسلیے یہ دعوی اسنے کیا کہ میں نے دائرہ دینی تعلیم کو کمال تک پہونچایا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا یعنی آج میں نے دین تمہارا کامل کیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور میں تمہارا دین اسلام ٹھیرا کر خوش ہوا یعنی دین کا انتہائی مرتبہ وہ امر ہے جو اسلام کے مفہوم میں پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ محض خدا کے لیے ہو جانا اور اپنی نجات اپنے وجود کی قربانی سے چاہنا نہ اور طریق سے اور اس نیت اور اس ارادہ کو عملی طور پر دکھلا دینا یہ نقطہ وہ ہے جسپر تمام کمالات ختم ہوتے ہیں پس جس خدا کو حکیموں نے شناخت نہ کیا۔ قرآن نے اس سچے خدا کا پتا بتایا قرآن نے خدا کی معرفت عطا کرنیکے لیے دو طریق رکھے ہیں۔ اول وہ طریق جس کی رو سے انسانی عقل عقلی دلائل پیدا کرنے میں بہت قوی اور روشن ہو جاتی ہے اور انسان غلطی کرنے سے بچ جاتا ہے دوسرا روحانی طریق جسکو ہم تیسرے سوال کے جواب میں عنقریب انشاء اللہ تعالی بیان کرینگے۔ اب دیکھو کہ عقلی طور پر قرآن شریف نے خدا کی ہستی پر کیا کیا عمدہ اور بےمثل دلائل دیے ہیں جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى یعنی خدا وہ خدا ہے کہ جس نے ہر ایک شے کو مناسب حال اسکو پیدائش بخشی پھر اس شے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرنیکے لیے راہ دکھلا دی اب اگر اس آیۃ کے مفہوم پر نظر رکھکر انسان سے لیکر تمام بحری اور بری جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے پڑھنے والے خود سوچ لیں کیونکہ یہ مضمون بہت وسیع ہے ✦

دوسری دلیل خدا تعالی کی ہستی پر قرآن شریف نے خدا تعالی کا علۃ العلل ہونا قرار دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ یعنی تمام سلسلہ علل و معلولات کا تیرے رب پر ختم ہو جاتا ہے تفصیل اس دلیل کی یہ ہے کہ نظر تعمق سے معلوم ہوگا کہ یہ تمام موجودات علل و معلول کے سلسلہ سے مربوط ہے اسی وجہ سے دنیا میں

طرح طرح کے علوم پیدا ہو گئے ہیں کیونکہ کوئی حصہ مخلوقات کا نظام سے باہر نہیں بعض بعض کیلیے بطور اصول اور بعض بطور فروع کے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ علت یا تو خود اپنی ذات سے قائم ہو گی یا اسکا وجود کسی دوسری علت کے وجود پر منحصر ہو گا اور پھر یہ دوسری علت کسی اور علت پر و علیٰ ہذا القیاس اور یہ تو جائز نہیں کہ اس محدود دنیا میں علل و معلول کا سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو اور غیر متناہی ہو تو بالضرورت ماننا پڑا کہ یہ سلسلہ ضرور کسی اخیر علت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے پس جس پر اس تمام سلسلہ کی انتہا ہے وہی خدا ہے آنکھ کھولکر دیکھلو کہ آیت وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی اپنے مختصر لفظوں میں کسطرح اس دلیل مذکورہ بالا کو بیان فرما رہی ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ انتہا تمام سلسلہ کی تیرے رب تک ہے +

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر یہ دی جیساکہ فرماتا ہے لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِیْ لَھَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ وَ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ یعنی آفتاب چاندکو نہیں پکڑ سکتا اور نہ رات جو مظہر ماہتاب ہے دن پر جو مظہر آفتاب ہے کچھ تسلط کر سکتی ہے یعنی کوئی انمیں سے اپنی حدود مقررہ سے باہر نہیں جاتا اگر ان کا در پردہ کوئی مدبر نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جاے یہ دلیل ہیئت پر غور کرنے والوں کے لیے نہایت فائدہ بخش ہے کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بیشمار گولے ہیں جنکے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے یہ کیسی قدرت حق ہے کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں اور نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھسے اور نہ انکی کلوں پرزوں میں کچھ فرق آیا اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو کیونکر اتنا بڑا کارخانہ بیشمار برسوں سے خودبخود چل رہا ہے انھیں حکمتوں کی طرف اشارہ کر کے خدا تعالیٰ دوسرے مقام میں فرماتا ہے اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یعنی کیا خدا کے وجود میں شک ہو سکتا ہے جسنے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی؟

پھر ایک دلیل اپنی ہستی پر دیتا ہے اور وہ یہ ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِکْرَامِ یعنی ہر ایک چیز معرض زوال میں ہے اور جو باقی رہنے والا ہے وہ خدا ہے جو جلال والا اور بزرگی والا ہے۔ اب دیکھو کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ ایسا ہو کہ زمین ذرہ ذرہ ہو جاے اور اجرام فلکی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ان پر معدوم کرنیوالی ایک ایسی ہوا چلے جو تمام نشان ان چیزوں کے مٹا دے مگر پھر بھی عقل اسبات کو مانتی اور قبول کرتی ہے بلکہ صحیح کانشنس اسکو ضروری سمجھتا ہے کہ اس تمام نیستی کے بعد بھی ایک چیز باقی رہ جاے جسپر فنا طاری نہ ہو اور تبدیل اور تغیر کو قبول نہ کرے اور اپنی پہلی حالت پر باقی رہے پس وہ وہی خدا ہے جو تمام فانی صورتونکو ظہور میں لایا اور خود فنا کی دستبرد سے محفوظ رہا۔

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر قرآن شریف میں پیش کرتا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی یعنی میں نے روحونکو کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں اس آیت میں خدا تعالیٰ قصہ کے رنگ میں روحوں کی اس خاصیت کو بیان فرماتا ہے جو ان کی فطرت میں اس نے رکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے

کہ کوئی روح فطرۃ کی رو سے خدا تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتی صرف منکر و نکو اپنے خیال میں دلیل نہ ملنے کی وجہ سے انکار ہے مگر باوجود اس انکار کے وہ اسبابات کو مانتے ہیں کہ ہر ایک حادث کے واسطے ضرور ایک محدث ہے دنیا میں ایسا کوئی نادان نہیں کہ اگر مثلاً بدن میں کوئی بیماری ظاہر ہو تو وہ اسبابات پر اصرار کرے کہ در پردہ اس بیماری کے ظہور کی کوئی علت نہیں اگر یہ سلسلہ دنیا کا علل او معلول سے مربوط نہ ہوتا تو قبل از وقت یہ بتا دینا کہ فلاں تاریخ طوفان آئیگا یا آندھی آئیگی یا خسوف ہوگا یا کسوف ہوگا یا فلاں وقت بیمار مرجائے گا یا فلاں وقت تک ایک بیماری کے ساتھ فلاں بیماری لاحق ہو جائیگی یہ تمام باتیں غیر ممکن ہو جائیں پس ایسا محقق اگرچہ خدا کے وجود کا اقرار نہیں کرتا مگر ایکطور سے تو اس نے اقرار کر ہی دیا کہ وہ بھی ہماری طرح معلولات کے لیے علل کی تلاش میں ہے یہ بھی ایک قسم کا اقرار ہے اگرچہ کمال اقرار نہیں ماسوا اس کے اگر کسی ترکیب سے ایک منکر وجود باری کو ایسے طور سے بیہوش کیا جائے کہ وہ اس سفلی زندگی کے خیالات سے بالکل الگ ہو کر اور تمام ارادوں سے معطل رہ کر اعلیٰ ہستی کے قبضہ میں ہو جائے تو وہ اس صورت میں خدا کے وجود کا اقرار کریگا انکار نہیں کریگا جیسا کہ بڑے بڑے مجربین کا تجربہ شاہد ہے سو ایسی حالت کیطرف اس آیت میں اشارہ ہے اور مطلب آیۃ یہ ہے کہ انکار وجود باری صرف سفلی زندگی تک ہے ورنہ اصل فطرۃ میں اقرار بھرا ہوا ہے +

یہ دلائل وجود باری پر ہیں جو ہمنے بطور نمونہ کے لکھے ہیں بعد اس کے یہ بھی جاننا چاہیے کہ جس خدا کی طرف ہمیں قرآن شریف نے بلایا ہے اس کی اس نے یہ صفات لکھی ہیں۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ ۔ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔ یعنی وہ خدا جو واحد لاشریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں یہ اسلیے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اسکی طاقت پر دشمن کی طاقت غالب آجائے اس صورت میں خدائی معرض خطرہ میں رہے گی اور یہ جو فرمایا کہ اسکے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفات کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ خدا کی صفات فرض کریں تو سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں ہو سکتا وہی خدا ہے جسکی پرستش میں ادنیٰ کو شریک کرنا ظلم ہے پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اسکی ذات پر

کوئی احاطہ نہیں کر سکتا - ہم آفتاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا[۳] دیکھنے سے قاصر ہیں پھر فرمایا کہ وہ عالم الشہادۃ ہے یعنی کوئی چیز اُسکی نظر سے پردہ میں نہیں ہے یہ جائز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیا سے غافل ہو وہ اس عالم کے ذرہ ذرہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دیگا اور قیامت برپا کر دیگا اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوگا سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے پھر فرمایا کہ هُوَ الرَّحْمٰنُ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور انکے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کی پاداش میں ان کیلیے سامان راحت میسر کرتا ہے جیساکہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لیے بنا دیا اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے اور اس کام کے لحاظ سے خدا تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے - اور پھر فرمایا کہ الرَّحِيْمُ یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم ہے اور پھر فرمایا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنی وہ خدا ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اسکا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جسکو اس نے زمین آسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو وہی کارپرداز سب کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آئندہ دینے والا ہو اور پھر فرمایا الملك القدوس یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جسپر کوئی داغ عیب نہیں یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں اگر مثلاً تمام رعیت جلاوطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی یا اگر مثلاً تمام رعیت قحط زدہ ہو جاوے تو پھر خراج شاہی کہاں سے آوے اور اگر رعیت کے لوگ اُس سے بحث شروع کر دیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کونسی لیاقت اپنی ثابت کرے پس خدا تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا کر کے اور مخلوقات پیدا کر سکتا ہے اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اسکی بادشاہت چل نہ سکتی کیونکہ وہ دنیا کو ایکمرتبہ معافی اور نجات دیکر پھر دوسری دنیا کہاں سے لاتا کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے لیے پھر پکڑتا اور ظلم کی راہ سے اپنی معافی اور نجات دہی کو واپس لیتا تو اس صورت میں اسکی خدائی میں فرق آتا اور دنیا کے بادشاہوں کی طرح داغدار بادشاہ ہوتا جو دنیا کے لیے قانون بناتے ہیں بات بات میں بگڑتے ہیں اور اپنی خودغرضی کے وقتوں پر جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیر مادر سمجھ لیتے ہیں - مثلاً قانون شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لیے ایک کشتی کے سواروں کو تباہی میں ڈالدیا جاوے اور ہلاک کیا جاوے مگر خدا کو تو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہیے پس اگر خدا پورا قادر اور عدم سے پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو یا تو وہ کمزور راجوں کی طرح قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا اور یا عادل بنکر خدائی ہی کو الوداع کہتا بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف

چل رہا ہے۔ پھر فرمایا السّلام یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے اس کے معنی بھی ظاہر ہیں کیونکہ وہ آپ ہی مصیبتوں میں پڑتا لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا تو پھر اس بدنمونہ کو دیکھ کر کس طرح دل تسلی پکڑتے کہ ایسا خدا ہمیں ضرور مصیبتوں سے چھڑا دیگا چنانچہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے بارہ میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ وَ اِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ الجزو نمبر ۱۷۔ سورہ حج۔ جن لوگوں کو تم خدا بنا بیٹھے ہو وہ تو ایسے ہیں کہ اگر سب مل کر ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو کبھی پیدا نہ کر سکیں اگرچہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں بلکہ اگر مکھی انکی چیز چھین کر لیجاوے تو انھیں طاقت نہیں ہوگی کہ وہ مکھی سے چیز واپس لے سکیں ان کے پرستار عقل کے کمزور اور وہ طاقت کے کمزور ہیں کیا خدا ایسے ہوا کرتے ہیں خدا تو وہ ہے کہ سب قوتوں والوں سے زیادہ قوت والا اور سب پر غالب آنیوالا ہے نہ اسکو کوئی پکڑ سکے نہ مار سکے ایسی غلطیوں میں جو لوگ پڑتے ہیں وہ خدا کی قدر نہیں پہچانتے اور نہیں جانتے خدا کیسا ہونا چاہیے اور پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قائم کرنیوالا ہے یہ اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ سچے خدا کا ماننے والا کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہو سکتا اور نہ خدا کے سامنے شرمندہ ہوگا کیونکہ اسکے پاس زبردست دلائل ہوتے ہیں لیکن بناوٹی خدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا ہے وہ بجائے دلائل بیان کرنے کے ہر ایک بیہودہ بات کو راز میں داخل کرتا ہے تا ہنسی نہو اور ثابت شدہ غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ المھیمن العزیز الجبار المتکبر یعنی وہ سب کا محافظ ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کاموں کا بنانے والا ہے اور اسکی ذات نہایت ہی مستغنی ہے اور فرمایا ھو اللہ الخالق الباریٔ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یعنی وہ ایسا خدا ہے کہ جسموں کا بھی پیدا کرنیوالا اور روحوں کا بھی پیدا کرنیوالا رحم میں تصویر کھینچنے والا ہے تمام نیک نام جہانتک خیال میں آسکیں سب اسی کے نام ہیں اور پھر فرمایا یسبح لہ ما فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم یعنی آسمان کے لوگ بھی اسکے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں اور پھر فرمایا علیٰ کل شیٔ قدیر۔ یعنی خدا بڑا قادر ہے یہ پرستاروں کے لیے تسلی ہے کیونکہ اگر خدا عاجز ہو اور قادر نہو تو ایسے خدا سے کیا امید رکھیں اور پھر فرمایا رب العلمین الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین اجیب دعوۃ الداع اذا دعان یعنی وہی خدا ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنیوالا رحمٰن رحیم اور جزا کے دن کا آپ مالک ہے اس اختیار کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا ہر ایک پکارنیوالے کی پکار کو سننے والا اور جواب دینے والا یعنی دعاؤں کا قبول کرنے والا اور پھر فرمایا الحی القیوم یعنی ہمیشہ

رہنے والا اور تمام جانوں کی جان اور سب کے وجود کا سہارا یہ اس لیے کہا کہ وہ ازلی ابدی نہ ہو تو اس کی زندگی کے بارے میں بھی دھڑکا رہیگا کہ شاید ہم سے پہلے فوت نہ ہو جاوے اور پھر فرمایا کہ وہ خدا اکیلا خدا ہے نہ وہ کسیکا بیٹا اور نہ کوئی اُسکا بیٹا اور نہ کوئی اُسکے برابر اور نہ کوئی اُسکا ہمجنس٭

اور یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید کو صحیح طور پر ماننا اور اس میں زیادت یا کمی نہ کرنا یہ وہ عدل ہے جو انسان اپنے مالک حقیقی کے حق میں بجا لاتا ہے یہ تمام حصہ اخلاقی تعلیم کا ہے جو قرآن شریف کی تعلیم میں سے درج ہوا ہے اس میں اصول یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام اخلاق کو افراط اور تفریط سے بچایا ہے اور ہر ایک خُلق کو اسی حالت میں خُلق کے نام سے موسوم کیا ہے کہ جب اپنی واقعی اور واجب حد سے کم و بیش نہ ہو یہ تو ظاہر ہے کہ نیکی حقیقی وہی چیز ہے جو دو حدوں کے وسط میں ہوتی ہے یعنی زیادتی اور کمی یا افراط اور تفریط کے درمیان ہوتی ہے ہر ایک عادت جو وسط کی طرف کھینچے اور وسط پر قائم کرے وہی خلق فاضل کو پیدا کرتی ہے محل اور موقعہ کا پہچاننا ایک وسط ہے مثلاً اگر زمیندار اپنا تخم وقت سے پہلے بو دے یا وقت کے بعد دونوں صورتوں میں وہ وسط کو چھوڑتا ہے نیکی اور حق اور حکمت سب وسط میں ہے اور وسط موقعہ بینی میں یا یوں سمجھو کہ حق وہ چیز ہے کہ ہمیشہ دو متقابل باطلوں کے وسط میں ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عین موقعہ کا التزام ہمیشہ انسان کو وسط میں رکھتا ہے اور خدا شناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جاوے اور نہ خدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے یہی طریق قرآن شریف نے صفات باری تعالیٰ میں اختیار کیا ہے چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا سنتا جانتا بولتا کلام کرتا ہے اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کے لیے یہ بھی فرماتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اُسکا شریک نہیں اُسکے لیے مخلوق سے مثالیں مت دو سو خدا کی ذات کو تشبیہ اور تنزیہ کے بین بین رکھنا یہی وسط ہے غرض اسلام کی تعلیم میانہ روی کی تعلیم ہے سورہ فاتحہ بھی میانہ روی کی ہدایت فرماتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالیٰ کے مقابل پر قوت غضبی کو استعمال کر کے قویٰ سبعیہ کی پیروی کرتے ہیں اور ضالین سے وہ مراد ہیں جو قویٰ بہیمیہ کی پیروی کرتے ہیں اور میانہ طریق وہ ہے جسکو لفظ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے یاد فرمایا ہے غرض اس مبارک امت کے لیے قرآن شریف میں وسط کی ہدایت ہے توریت میں خدا تعالیٰ نے انتقامی امور پر زور دیا تھا اور انجیل میں عفو اور درگذر پر زور دیا تھا اور اس اُمت کو موقعہ شناسی اور وسط کی تعلیم ملی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا یعنی ہمنے تم کو وسط پر عمل کرنے والے بنایا اور وسط کی تعلیم تمہیں دی سو مبارک وہ جو وسط پر چلتے ہیں

خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا

تیسرا حصہ یعنی یہ کہ روحانی حالتیں کیا ہیں۔ واضح رہے کہ ہم پہلے اس سے بیان کر چکے ہیں کہ بموجب ہدایت قرآن شریف کے روحانی حالتوں کا منبع اور چشمہ نفس مطمئنہ ہے جو انسان کو با اخلاق ہونیکے مرتبے با خدا ہونیکے مرتبہ تک پہونچاتا ہے جیساکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ یعنی اے نفس خدا کے ساتھ آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری بہشت کے اندر آجا۔ اس جگہ بہتر ہے کہ ہم روحانی حالتوں کے بیان کرنیکے لیے اس آیہ کریمہ کی تفسیر کسی قدر توضیح سے بیان کریں پس یاد رکھنا چاہیے کہ اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت انسان کی اس دنیوی زندگی میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ آرام پا جاوے اور تمام اطمینان اور سرور اور لذت اسکی خدا میں ہی ہو جاوے یہی وہ حالت ہے جسکو دوسرے لفظوں میں بہشتی زندگی کہا جاتا ہے اس حالت میں انسان اپنے کامل صدق اور صفا اور وفا کے بدلہ میں ایک نقد بہشت پا لیتا ہے اور دوسرے لوگوں کی بہشت موعود پر نظر ہوتی ہے اور یہ بہشت موجود میں داخل ہوتا ہے اسی درجہ پر پہنچکر انسان سمجھتا ہے کہ وہ عبادت جس کا بوجھ اسکے سر پر ڈالا گیا ہے درحقیقت وہی ایک ایسی غذا ہے جس سے اسکی روح نشو و نما پاتی ہے اور جس پر اسکی روحانی زندگی کا بڑا بھاری مدار ہے اور اس کے نتیجہ کا حصول کسی دوسرے جہان پر موقوف نہیں ہے اسی مقام پر یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ وہ ساری ملامتیں جو نفس لوامہ انسان کا اسکی ناپاک زندگی پر کرتا ہے اور پھر بھی نیک خواہشوں کو اچھی طرح ابھار نہیں سکتا اور بری خواہشوں سے حقیقی نفرت نہیں دلا سکتا اور نہ نیکی پر ٹھہرنے کی پوری قوت بخش سکتا ہے اس پاک تحریک سے بدل جاتی ہیں جو نفس مطمئنہ کے نشو و نما کا آغاز ہوتی ہے اور اس درجہ پر پہونچکر وقت آجاتا ہے کہ انسان پوری فلاح حاصل کرے اور اب تمام نفسانی جذبات خود بخود افسردہ ہونے لگتے ہیں اور روح پر ایک ایسی طاقت افزا ہوا چلنے لگتی ہے جس سے انسان پہلی کمزوریوں کو ندامت کی نظر سے دیکھتا ہے اسوقت انسانی سرشت پر ایک بھاری انقلاب آتا ہے اور عادات میں ایک تبدل عظیم پیدا ہوتا ہے اور انسان اپنی پہلی حالتوں سے بہت ہی دور جا پڑتا ہے دھویا جاتا ہے اور صاف کیا جاتا ہے اور خدا نیکی کی محبت کو اپنے ہاتھ سے اسکے دل میں لکھ دیتا ہے اور بدی کا گند اپنے ہاتھ سے اسکے دل سے باہر پھینک دیتا ہے سچائی کی فوج سب کی سب دل کے شہرستان میں آجاتی ہے اور فطرۃ کے تمام برجوں پر راستبازی کا قبضہ ہو جاتا ہے اور حق کی فتح ہوتی ہے اور باطل بھاگ جاتا ہے اور اپنے ہتھیار پھینک دیتا ہے۔ اس شخص کے دل پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر ایک قدم خدا کے زیر سایہ چلتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ آیات ذیل میں انہیں امور کیطرف اشارہ فرماتا ہے اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ۔ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً وَاللّٰہُ

عَلَيْهِ حَكِيْمٌ۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ یعنی خدا نے مومنوں کے دلمیں ایمان کو اپنے ہاتھ سے لکھدیا ہے اور روح القدس کے ساتھ انکی مدد کی اُس نے اے مومنو ایمان کو تمھارا محبوب بنا دیا اور اس کا حسن و جمال تمھارے دل میں بٹھا دیا اور کفر اور بدکاری اور معصیت سے تمھارے دلکو نفرت دیدی اور بُری راہوں کا مکروہ ہونا تمھارے دل میں جما دیا یہ سب کچھ خدا کے فضل اور رحمت سے ہوا حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل کب حق کے مقابل ٹھہر سکتا تھا۔ غرض یہ تمام اشارات اس روحانی حالت کیطرف ہیں جو تیسرے درجہ پر انسان کو حاصل ہوتی ہے اور سچی بینائی انسان کو کبھی نہیں مل سکتی جب تک یہ حالت اسکو حاصل نہ ہو اور یہ جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ایمان انکے دلمیں اپنے ہاتھ سے لکھا اور روح القدس سے ان کی مدد کی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو سچی طہارت اور پاکیزگی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جبتک آسمانی مدد اسکے شامل حال نہ ہو نفس لوامہ کے مرتبہ پر انسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ بار بار توبہ کرتا اور بار بار گرتا ہے بلکہ بسا اوقات اپنی صلاحیت سے نا امید ہو جاتا ہے اور اپنے مرض کو ناقابل علاج سمجھ لیتا ہے اور ایک مدت تک ایسا ہی رہتا ہے اور پھر جب وقت مقدر پورا ہو جاتا ہے تو رات یا دن کو یکدفعہ ایک نور اُسپر نازل ہوتا ہے اور اس نور میں الٰہی قوت ہوتی ہے اس نور کے نازل ہونیکے ساتھ ہی ایک عجیب تبدیلی اسکے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور غیبی ہاتھ کا ایک قوی تصرف محسوس ہوتا ہے اور ایک عجیب عالم سامنے آجاتا ہے اُسوقت انسان کو پتا لگتا ہے کہ خدا ہے اور آنکھوں میں وہ نور آجاتا ہے جو پہلے نہیں تھا لیکن اس راہ کو کیونکر حاصل کریں اور اس روشنی کو کیونکر پاویں۔ سو جاننا چاہیے کہ اس دنیا میں جو دار الاسباب ہے ہر ایک معلول کے لیے ایک علت ہے اور ہر ایک حرکت کیلیے ایک محرک ہے اور ہر ایک علم حاصل کرنے کیلیے ایک راہ ہے جسکو صراط مستقیم کہتے ہیں دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو بغیر پابندی ان قواعد کے مل سکے جو قدرت نے ابتدا سے اسکے لیے مقرر کر رکھے ہیں قانون قدرت بتلا رہا ہے کہ ہر ایک چیز کے حصول کے لیے ایک صراط مستقیم ہے اور اسکا حصول اسی پر قدرتاً موقوف ہے مثلاً اگر ہم ایک اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھے ہوں اور آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہو تو ہمارے لیے یہ صراط مستقیم ہے کہ ہم اس کھڑکی کو کھولدیں جو آفتاب کی طرف ہو تب یکدفعہ آفتاب کی روشنی اندر آکر ہمیں منور کر دے گی سو ظاہر ہے کہ اسی طرح خدا کے سچے اور واقعی فیوض پانیکے لیے بھی کوئی کھڑکی اور پاک روحانیت کے حاصل کرنے کے لیے کوئی خاص طریق ہوگا اور وہ یہ ہے کہ روحانی امور کے لیے صراط مستقیم کی تلاش کریں جیسا کہ ہم اپنی زندگی کے تمام امور میں اپنی کامیابیوں کے لیے صراط مستقیم کی تلاش کرتے رہتے ہیں مگر کیا وہ یہ طریق ہے کہ ہم صرف اپنی ہی عقل کے زور سے اور اپنی ہی خود تراشیدہ باتوں سے خدا کے وصال کو ڈھونڈیں کیا محض ہماری ہی اپنی منطق اور فلسفہ سے اسکے وہ دروازے ہم پر کھلتے ہیں جنکا کھلنا اُسکے قوی ہاتھ پر موقوف ہے یقیناً سمجھو کہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے ہم اُس حیّ و قیوم کو محض اپنی ہی تدبیروں سے ہرگز نہیں پا سکتے بلکہ اس راہ میں صراط مستقیم

صرف یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی زندگی معہ اپنی تمام قوتوں کے خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر کے پھر خدا کے وصال کے لیے دعا میں لگے رہیں تا خدا کو خدا ہی کے ذریعہ سے پاویں اور سب سے زیادہ پیاری دعا جو عین محل اور موقعہ سوال کا ہمیں سکھاتی ہے اور فطرۃ کے روحانی جوش کا نقشہ ہمارے سامنے رکھتی ہے وہ دعا ہے جو خدائے کریم نے اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنی سورہ فاتحہ میں ہمیں سکھائی ہے اور وہ یہ ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین تمام پاک تعریفیں جو ہو سکتی ہیں اُس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے الرحمن الرحیم وہی خدا جو ہمارے اعمال سے پہلے ہمارے لیے رحمت کا سامان میسر کرنیوالا ہے اور ہمارے اعمال کے بعد رحمت کے ساتھ جزا دینے والا ہے ملک یوم الدین وہ خدا جو جزا کے دن کا وہی ایک مالک ہے کسی اور کو وہ دن نہیں سونپا گیا ایاک نعبد و ایاک نستعین اے وہ جو ان تعریفوں کا جامع ہے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور ہم ہر ایک کام میں توفیق تجھ ہی سے چاہتے ہیں اس جگہ ہم کے لفظ سے پرستش کا اقرار کرنا اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ ہمارے تمام قویٰ تیری پرستش میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے آستانہ پر جھکے ہوئے ہیں کیونکہ انسان باعتبار اپنے اندرونی قویٰ کے ایک جماعۃ اور ایک اُمّۃ ہے اور ایسے تمام قویٰ کا خدا کو سجدہ کرنا یہی وہ حالت ہے جسکو اسلام کہتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھا اور اسپر ثابت قدم کر کے اُن لوگونکی راہ دکھلا جنپر تیرا انعام و اکرام ہے اور تیرے مورد فضل و کرم ہو گئے ہیں غیر المغضوب علیھم ولا الضالین اور ہمیں اُن لوگونکی راہوں سے بچا جنپر تیرا غضب ہے اور جو تجھ تک نہیں پہونچ سکے اور راہ کو بھول گئے آمین ایسا ہی کر۔ یہ آیات ہمیں سمجھا رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے انعامات جو دوسرے لفظوں میں فیوض کہلاتے ہیں اُنہی پر نازل ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی خدا کی راہ میں قربانی دیکر اور اپنا تمام وجود اُسی کی راہ میں وقف کر کے اور اُسکی رضا میں محو ہو کر پھر اسوجہ سے دعا میں لگے رہتے ہیں کہ تا جو کچھ انسان کو روحانی نعمتوں اور خدا کے قرب اور وصال اور اُسکے مکالمات اور مخاطبات میں سے مل سکتا ہے وہ سب انکو ملے اور اس دعا کے ساتھ اپنے تمام قویٰ سے عبادۃ بجالاتے ہیں اور گناہ سے پرہیز کرتے اور آستانہ الٰہی پر پڑے رہتے ہیں اور جہانتک ان کے لیے ممکن ہے اپنے تئیں بدی سے بچاتے ہیں اور غضب الٰہی کی راہوں سے دور رہتے ہیں سو چونکہ وہ ایک اعلیٰ ہمت اور صدق کے ساتھ خدا کو ڈھونڈتے ہیں اسلیے اُسکو پالیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی پاک معرفت کے پیالوں سے سیراب کیے جاتے ہیں۔ اس آیت میں جو استقامۃ کا ذکر فرمایا یہ اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ سچا اور کامل فیض جو روحانی عالم تک پہونچاتا ہے کامل استقامۃ سے وابستہ ہے اور کامل استقامۃ سے مراد ایک ایسی حالت صدق و وفا ہے جسکو کوئی امتحان ضرر نہ پہونچا سکے یعنی ایسا پیوند ہو جسکو نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے

اور نہ کوئی دوسری آفت نقصان پہونچا سکے عزیزوں کی موتیں اس سے علٰحدہ نہ کر سکیں پیاروں کی جدائی اسمیں خلل انداز نہ ہو سکے بے آبروئی کا خوف کچھ رعب نہ ڈال سکے ہولناک دکھوں سے مارا جانا ایک ذرہ دلکو نہ ڈرا سکے سو یہ دروازہ بہت تنگ ہی اور یہ راہ نہایت دشوار گذار ہے کسقدر مشکل ہے آہ صد آہ اسی کیطرف اللہ جل شانہ ان آیات میں اشارہ فرماتا ہے قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَاؤُکُمْ وَ اَبْنَاءُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَ تِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَ مَسَاکِنُ تَرْضَوْنَھَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ جِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ. یعنی انکو کہدے کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری عورتیں اور تمھاری برادری اور تمھارے وہ مال جو تمنے محنت سی کمائے ہیں اور تمھاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمھیں خوف ہے اور تمھاری حویلیاں جو تمھارے دلپسند ہیں خدا سے اور اُس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم اُس وقت تک منتظر رہو کہ جبتک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائے گا ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کی مرضی کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور اپنے مالوں سے پیار کرتے ہیں وہ خدا کی نظر میں بدکار ہیں وہ ضرور ہلاک ہوں گے کیونکہ انھوں نے غیر کو خدا پر مقدم رکھا یہی وہ تیسرا مرتبہ ہے جس میں وہ شخص باخدا بنتا ہے جو اُسکے لیے ہزاروں بلائیں خریدے اور خدا کی طرف ایسے صدق اور اخلاص سے جھک جائے کہ خدا کے سوا کوئی اُسکا نرہے گویا سب مر گئے پس سچ تو یہ ہے کہ جبتک ہم خود نہ مریں زندہ خدا نظر نہیں آسکتا خدا کے ظہور کا دن وہی ہوتا ہے کہ جب ہماری جسمانی زندگی پر موت آوے ہم اندھے ہیں جبتک غیر کے دیکھنے سے اندھے نہ ہو جائیں ہم مردہ ہیں جبتک خدا کے ہاتھ میں مردہ کیطرح نہ ہو جائیں جب ہمارا مُنہ ٹھیک ٹھیک اُسکے محاذات میں پڑیگا تب وہ واقعی استقامت جو تمام نفسانی جذبات پر غالب آتی ہے ہمیں حاصل ہوگی اس سے پہلے نہیں اور یہی وہ استقامت ہے جس سے نفسانی زندگی پر موت آجاتی ہے ہماری استقامت یہ ہے کہ جیسا وہ فرماتا ہے کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَ ھُوَ مُحْسِنٌ یعنی یہ کہ قربانی کی طرح ہمیرے آگے گردن رکھدو ایسا ہی ہم اُسوقت درجہ استقامت حاصل کرینگے کہ جب ہمارے وجود کے تمام پرزے اور ہمارے نفس کی تمام قوتیں اسی کام میں لگجائیں اور ہماری موت اور ہماری زندگی اسکے لیے ہوجائے جیساکہ وہ فرماتا ہے قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کیلیے ہے اور جب انسان کی محبت خدا کے ساتھ اسدرجہ تک پہونچ جائے کہ اُس کا مرنا اور جینا اپنے لیے نہیں بلکہ خدا ہی کے لیے ہو جائے تب وہ خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنیوالوں کے ساتھ پیار

کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اُسپر اُتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جسکو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لیے خون ہوا کہ دنیا نے انکو نہیں پہچانا وہ اسی لیے مکار اور خود غرض کہلائے کہ دنیا ان کے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی جیسا کہ فرماتا ہے يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ یعنی وہ جو منکر ہیں تیری طرف دیکھتے تو ہیں مگر تو نظر نہیں آتا غرض جب وہ نور پیدا ہوتا ہے تو اس نور کی پیدائش کے دن سے ایک زمینی شخص آسمانی ہو جاتا ہے وہ جو ہر ایک وجود کا مالک ہے اُسکے اندر بولتا ہے اور اپنی الوہیت کی چمکیں دکھلاتا ہے اور اسکے دل کو جو پاک محبت سے بھرا ہوا ہے اپنا تخت گاہ بناتا ہے اور جب ہی سے کہ یہ شخص ایک نورانی تبدیلی پاکر ایک نیا آدمی ہو جاتا ہے وہ اس کے لیے ایک نیا خدا ہو جاتا ہے اور نئی عادتیں اور نئی سنتیں ظہور میں لاتا ہے یہ نہیں کہ وہ نیا خدا ہے یا عادتیں نئی ہیں مگر خدا کی عام عادتوں سے وہ الگ عادتیں ہوتی ہیں جو دنیا کا فلسفہ انسے آشنا نہیں اور یہ شخص جیسا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ یعنی انسانوں میں وہ اعلیٰ درجے کے انسان ہیں جو خدا کی رضا میں کھوئے جاتے ہیں وہ اپنی جان بیچتے ہیں اور خدا کی مرضی کو مول لیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنپر خدا کی رحمت ہے ایسا ہی وہ شخص جو روحانی حالت کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہے خدا کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ تمام دکھوں سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو میری راہ میں اور میری رضا کی راہ میں جان کو بیچدیتا ہے اور جانفشانی کے ساتھ اپنی اس حالت کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ خدا کا ہے اور اپنے تمام وجود کو ایک ایسی چیز سمجھتا ہے جو طاعت خالق اور خدمت مخلوق کے لیے بنائی گئی ہے اور پھر حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت سے متعلق ہیں ایسے شوق و ذوق وحضور دل سے بجالاتا ہے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں اپنے محبوب حقیقی کو دیکھ رہا ہے اور ارادہ اس کا خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ہمرنگ ہو جاتا ہے اور تمام عزت اسکی فرمانبرداری میں ٹھہر جاتی ہے اور تمام اعمال صالحہ نہ مشقت کی راہ سے بلکہ تلذذ اور احتظاظ کی کشش سے ظاہر ہونے لگتے ہیں وہ نقد بہشت ہے جو روحانی انسان کو ملتا ہے اور وہ بہشت جو آئندہ ملے گا وہ درحقیقت اسی کی اظلال و آثار ہے جسکو دوسرے عالم میں قدرت خداوندی جسمانی طور پر متمثل کر کے دکھلائیگی اسی کی طرف اشارہ ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا - اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا - وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا - اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا - وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا

یعنی جو شخص خدا تعالیٰ سے خائف ہے اور اسکی عظمت و جلال کے مرتبہ سے ہراساں ہے اُسکے لیے دو بہشت ہیں ایک یہی دنیا اور دوسری آخرت اور ایسے لوگ جو خدا میں محو ہیں خدا نے انکو وہ شربت پلایا ہے جس نے ان کے دل اور خیالات اور ارادات کو پاک کر دیا نیک بندے وہ شربت پی رہے ہیں جسکی ملونی کافور ہے وہ اُس چشمہ سے پیتے ہیں جسکو وہ آپ ہی چیرتے ہیں اور میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ کافور کا لفظ اسواسطے اس آیت میں اختیار فرمایا گیا ہے کہ لغت عرب میں کفر دبانے کو اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں سو یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے ایسے خلوص سے انقطاع اور رجوع الی اللہ کا پیالہ پیا ہے کہ دنیا کی محبت بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے یہ قاعدہ کی بات ہے کہ تمام جذبات دل کے خیال سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور جب دل نالائق خیالات سے بہت ہی دور چلا جائے اور کچھہ تعلقات ان سے باقی نرہیں تو وہ جذبات بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگتے ہیں یہانتک کہ نابود ہو جاتے ہیں سو اسجگہ خدا تعالےٰ کی یہی غرض ہے اور وہ اس آیت میں یہی سمجھاتا ہے کہ جو اُسکی طرف کامل طور سے جھک گئے وہ نفسانی جذبات سے بہت ہی دور نکل گئے ہیں اور ایسے خدا کیطرف جھکے کہ دنیا کی سرگرمیوں سے ان کے دل ٹھنڈے ہو گئے اور ان کے جذبات ایسے دب گئے جیسا کہ کافور زہریلے مادوں کو دبا دیتا ہے اور پھر فرمایا کہ وہ لوگ اس کافوری پیالہ کے بعد وہ پیالے پیتے ہیں جن کی ملونی زنجبیل ہے اب جاننا چاہیئے کہ زنجبیل دو لفظوں سے مرکب ہے یعنی زنا اور جبل سے اور زنا لغت عرب میں اوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جبل پہاڑ کو اسکے ترکیبی معنی یہ ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ گیا اب جاننا چاہیئے کہ انسان پر ایک زہریلی بیماری کے فرو ہونیکے بعد اعلیٰ درجہ کی صحت تک دو حالتیں آتی ہیں ایک وہ حالت جبکہ زہریلے مواد کا جوش بکلی جاتا رہتا ہے اور خطرناک مادوں کا جوش رو باصلاح ہو جاتا ہے اور سمی کیفیات کا حملہ بخیر و عافیت گذر جاتا ہے اور ایک مہلک طوفان جو اُٹھا تھا نیچے دب جاتا ہے لیکن ہنوز اعضا میں کمزوری باقی ہوتی ہے کوئی طاقت کا کام نہیں ہو سکتا ابھی مردہ کیطرح افتاں وخیزاں چلتا ہے اور دوسری وہ حالت ہے کہ جب اصلی صحت عود کر آتی اور بدن میں طاقت بھر جاتی ہے اور قوت کے بحال ہونے سے یہ حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بلا تکلف پہاڑ کے اوپر چڑھ جاے اور نشاط خاطر سے اونچی گھاٹیوں پر دوڑتا چلا جائے سو سلوک کے تیسرے مرتبہ میں یہ حالت میسر آتی ہے ایسی حالت کی نسبت اللہ تعالیٰ آیت موصوفہ میں اشارہ فرماتا ہے کہ انتہائی درجہ کے باخدا لوگ وہ پیالے پیتے ہیں جنمیں زنجبیل ملی ہوئی ہے یعنی وہ روحانی حالت کی پوری قوت پاکر بڑی بڑی گھاٹیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور بڑے مشکل کام ان کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوتے ہیں اور خدا کی راہ میں حیرت ناک جانفشانیاں دکھلاتے ہیں ۔

اسجگہ یہ بھی واضح رہے کہ علم طب کی رو سے زنجبیل وہ دوا ہے جسکو ہندی میں سونٹھ کہتے ہیں وہ حرارت غریزی کو بہت قوت دیتی ہے اور دستوں کو بند کرتی ہے اور اس کا زنجبیل اسواسطے نام

رکھا گیا ہے کہ گویا وہ کمزور کو ایسا قوی کرتی ہے اور ایسی گرمی پہنچاتی ہے جس سے وہ پہاڑوں پر چڑھ سکے ان متقابل آیتوں کے پیش کرنے سے جنمیں ایک جگہ کافور کا ذکر ہے اور ایک جگہ زنجبیل کا۔ خدا تعالیٰ کی یہ غرض ہے کہ تا اپنے بندوں کو سمجھاوے کہ جب انسان جذبات نفسانی سے نیکی کی طرف حرکت کرتا ہے تو پہلے پہل اس حرکت کے بعد یہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ اسکے زہریلے مواد کو دبا لیتا ہے اسی لیے وہ ہیضہ اور محرقہ تپوں میں مفید ہے اور پھر جب زہریلے مواد کا جوش بالکل جاتا رہتا ہے اور ایک کمزور صحت جو ضعف کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے حاصل ہو جاوے تو پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف بیمار زنجبیل کے شربت سے قوت پاتا ہے اور زنجبیلی شربت خدا تعالیٰ کے حسن و جمال کی تجلی ہے جو روح کی غذا ہے جب اس تجلی سے انسان قوت پکڑتا ہے تو پھر بلند اور اونچی گھاٹیوں پر چڑھنے کے لائق ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسی حیرتناک سختی کے کام دکھلاتا ہے کہ جب تک یہ عاشقانہ گرمی کسی کے دل میں نہ ہو ہرگز ایسے کام دکھلا نہیں سکتا سو خدا تعالیٰ نے اسجگہ ان دو حالتوں کے سمجھانے کیلیے عربی زبان کے دو لفظوں سے کام لیا ہے ایک کافور سے جو نیچے دبانیوالے کو کہتے ہیں اور دوسرے زنجبیل سے جو اوپر چڑھنے والے کو کہتے ہیں اور اس راہ میں یہی دو حالتیں سالکوں کے لیے واقعہ ہیں باقی حصہ آیت کا یہ ہے إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا یعنی ہمنے منکروں کے لیے جو سچائی کو قبول کرنا نہیں چاہتے زنجیریں طیار کر دی ہیں اور طوق گردن اور ایک افروختہ آگ کی سوزش۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سچے دل سے خدا تعالیٰ کو نہیں ڈھونڈتے اُنپر خدا کی طرف سے رجعت پڑتی ہے وہ دنیا کی گرفتاریوں میں ایسے مبتلا رہتے ہیں کہ گویا پابزنجیر ہیں اور زمینی کاموں میں ایسے نگونسار ہوتے ہیں کہ گویا ان کی گردن میں ایک طوق ہے جو انکو آسمانی طرف سر نہیں اُٹھانے دیتا اور ان کے دلوں میں حرص و ہوا کی ایک سوزش لگی ہوئی ہوتی ہے کہ یہ مال حاصل ہو جاوے اور یہ جائداد مل جاوے اور فلاں ملک ہمارے قبضہ میں آجاوے اور فلاں دشمن پر ہم فتح پا جائیں اسقدر روپیہ ہو اتنی دولت ہو سو چونکہ خدا تعالےٰ انکو نالائق دیکھتا ہے اور بُرے کاموں میں مشغول پاتا ہے اسلیے یہ تینوں بلائیں انکو لگا دیتا ہے اور اسجگہ اسباب کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب انسان سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو اسی کے مطابق خدا بھی اپنی طرف سے ایک فعل صادر کرتا ہے مثلاً انسان جسوقت اپنی کوٹھڑی کے تمام دروازوں کو بند کر دے تو انسان کے اس فعل کے بعد خدا تعالےٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ اُس کوٹھڑی میں اندھیرا پیدا کر دیگا کیونکہ جو امور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں ہمارے کاموں کے لیے بطور ایک نتیجہ لازمی کے مقرر ہو چکے ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے فعل ہیں وجہ یہ کہ وہی علۃ العلل ہے ایسا ہی اگر مثلاً کوئی شخص زہر قاتل کھاوے تو اسکے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل صادر ہوگا کہ اسے ہلاک کر دیگا ایسا ہی اگر کوئی ایسا بیجا فعل کرے جو کسی متعدی بیمار کا موجب ہو تو اس کے اس فعل کے بعد خدا تعالےٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ متعدی بیماری اسکو پکڑے گی۔ پس جسطرح ہماری

ص گھٹ جاتے ہیں اور نفسانی جذبات روبکمی ہونے لگتے ہیں جیسا کہ کافور زہریلے مواد

دنیوی زندگی میں صریح نظر آتا ہے کہ ہمارے ہر ایک فعل کے لیے ایک ضروری نتیجہ ہے اور وہ نتیجہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے ایسا ہی دین کے متعلق بھی یہی قانون ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ ان دو مثالوں میں صاف فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ یعنی جو لوگ اس فعل کو بجا لائے کہ اُنھوں نے خدا تعالیٰ کی جستجو میں پوری پوری کوشش کی تو اس فعل کے لیے لازمی طور پر ہمارا یہ فعل ہوگا کہ ہم انکو اپنی راہ دکھاویں گے اور جن لوگوں نے کجی اختیار کی اور سیدھی راہ پر چلنا نہ چاہا تو ہمارا فعل انکی نسبت یہ ہوگا کہ ہم ان کے دلوں کو کج کر دیں گے اور پھر اس حالت کو زیادہ توضیح دینے کے لیے فرمایا مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا رہا وہ آنیوالے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بدتر یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ نیک بندوں کو خدا کا دیدار اسی جہان میں ہو جاتا ہے اور وہ اسی جگ میں اس پیارے کا درشن پا لیتے ہیں جسکے لیے وہ سب کچھ کھوتے ہیں غرض مفہوم اس آیت کا یہی ہے کہ بہشتی زندگی کی بنیاد اسی جہان سے پڑتی ہے اور جہنمی نابینائی کی جڑ بھی اسی جہان کی گندہ اور کورانہ زیست ہے اور پھر فرمایا وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ یعنی جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجا لاتے ہیں وہ ان باغوں کے وارث ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی جسکے نیچے نہریں بہتی ہیں پس واضح رہے کہ اسجگہ ایک اعلیٰ درجہ کی فلاسفی کے رنگ میں بتلایا گیا ہے کہ جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہے وہی رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہے پس جیسا کہ کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا ایسا ہی کوئی ایمان بغیر نیک کاموں کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا اگر ایمان ہو اور اعمال نہ ہوں تو وہ ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور عمل کا ایک ظل ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملیگی بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے اور ہر ایک کی بہشت اسی کا ایمان اور اسی کے اعمال صالحہ ہیں جنکی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہوں گے خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی بتلاتی ہے کہ سچا اور پاک اور مستحکم اور کامل ایمان جو خدا اور اُسکے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت خوشنما اور بار ور درخت ہے اور اعمال صالحہ اس بہشت کی نہریں ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ یعنی وہ ایمانی کلمہ جو

ہر ایک افراط تفریط اور نقص اور خلل اور کذب اور ہزل سے پاک اور من کل الوجوہ کامل ہو اُس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو ہر ایک عیب سے پاک ہو جسکی جڑ زمین میں قائم اور شاخیں آسمان میں ہوں اور اپنے پھل کو ہمیشہ دیتا ہو اور کوئی وقت اُس پر نہیں آتا کہ اسکی شاخوں میں پھل نہ ہوں۔ اس بیان میں خدا تعالیٰ نے ایمانی کلمہ کو ہمیشہ پھلدار درخت سے مشابہت دیکر تین علامتیں اسکی بیان فرمائیں (۱) اول یہ کہ جڑ اسکی جو اصل مفہوم سے مراد ہے انسان کے دل کی زمین میں ثابت ہو یعنی انسانی فطرۃ اور انسانی کانشنس نے اسکی حقانیت اور اصلیت کو قبول کر لیا ہو (۲) دوسری علامتہ یہ کہ اس کلمہ کی شاخیں آسمان میں ہوں یعنی معقولیت اپنے ساتھ رکھتا ہو اور آسمانی قانون قدرت جو خدا کا فعل ہے اُس فعل کے مطابق ہو مطلب یہ کہ اسکی صحت اور اصلیت کے دلائل قانون قدرۃ سے مستنبط ہو سکتے ہوں اور نیز یہ کہ وہ دلائل ایسے اعلیٰ ہوں کہ گویا آسمان میں ہیں جن تک اعتراض کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ (۳) تیسری علامتہ یہ ہے کہ وہ پھل جو کھانیکے لائق ہے دائمی اور غیر منقطع ہو یعنی عملی مزاولت کے بعد اسکی برکات و تاثیرات ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مشہود اور محسوس ہوتی ہوں یہ نہیں کہ کسی خاص زمانہ تک ظاہر ہو کر پھر آگے بند ہو جائیں اور پھر فرمایا مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ یعنی پلید کلمہ اس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو زمین میں سے اکھڑا ہوا ہو یعنی فطرت انسانی اُسکو قبول نہیں کرتی اور کسی طور سے وہ قرار نہیں پکڑتا نہ دلائل عقلیہ کے رو سے نہ قانون قدرۃ کی رو سے صرف قصہ اور کہانی کے رنگ میں ہوتا ہے اور جیسا کہ قرآن شریف نے عالم آخرت میں ایمان کے پاک درختوں کو انگور اور انار اور عمدہ عمدہ میووں سے مشابہت دی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اُس روز وہ اُن میووں کی صورت میں متمثل ہوں گے اور دکھائی دینگے ایسا ہی بے ایمانی کے خبیث درخت کا نام عالم آخرت میں زقوم رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۔ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۔ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۔ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۔ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۔ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۔ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۔ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۔ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۔ یعنی تم بتلاؤ کہ بہشت کے باغ اچھے ہیں یا زقوم کا درخت جو ظالموں کے لیے ایک بلا ہے وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے یعنی تکبر اور خود بینی سے پیدا ہوتا ہے یہی دوزخ کی جڑ ہے اسکا شگوفہ ایسا ہے جیسا کہ شیطان کا سر شیطان کے معنے ہیں ہلاک ہونیوالا یہ لفظ شیط سے نکلا ہے پس حاصل کلام یہ ہے کہ اسکا کھانا ہلاک ہونا ہے اور پھر فرمایا کہ زقوم کا درخت اُن گنہگاروں کا کھانا ہے جو عمداً گناہ کو اختیار کر لیتے ہیں وہ کھانا ایسا ہے جیسا کہ تانبا گلا ہوا کھولتے ہوئے پانی

کی طرح پیٹ میں جوش مارنے والا پھر دوزخی کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ اس درخت کو چکھ تو عزت والا اور بزرگ ہے۔ یہ کلام نہایت غضب کا ہے اسکا ماحصل یہ ہے کہ اگر تو تکبر نہ کرتا اور اپنی بزرگی اور عزت کا پاس کرکے حق سے منہ نہ پھیرتا تو آج یہ تلخیاں بخشے اٹھانی نہ پڑتیں یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ دراصل لفظ زقوم کا ذُق اور اَم سے مرکب ہے اور اَم اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْم کا ملخص ہے جسمیں ایک حرف پہلے کا اور ایک حرف آخر کا موجود ہے اور کثرت استعمال نے ذال و زا کے ساتھ بدلدیا ہے اب حاصل کلام یہ ہے کہ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا کے ایمانی کلمات کو بہشت کے ساتھ مشابہت دی ہے ایسا ہی اسی دنیا کے بے ایمانی کے کلمات کو زقوم کے ساتھ مشابہت دی اور اسکو دوزخ کا درخت ٹھہرایا اور ظاہر فرمادیا کہ بہشت اور دوزخ کی جڑ اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے جیساکہ دوزخ کی باب میں ایک اور جگہ فرماتا ہے نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ - یعنی دوزخ وہ آگ ہے جو خدا کا غضب اسکا منبع ہے اور گناہ سے بھڑکتی ہے اور پہلے دلپر غالب ہوتی ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس آگ کی اصل جڑ وہ غم اور حسرتیں اور درد ہیں جو دلکو پکڑتے ہیں کیونکہ تمام روحانی عذاب پہلے دل سے ہی شروع ہوتے ہیں اور پھر تمام بدن پر محیط ہوجاتے ہیں اور پھر ایک جگہ فرمایا وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ یعنی جہنم کی آگ کا ایندھن جس سے وہ آگ ہمیشہ افروختہ رہتی ہے دو چیزیں ہیں ایک وہ انسان جو حقیقی خدا کو چھوڑکر اور اور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں یا ان کی مرضی سے اُن کی پرستش کیجاتی ہے جیساکہ فرمایا اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ یعنی تم اور تمھارے معبود باطل جو انسان ہوکر خدا کہلاتے رہے جہنم میں ڈالے جائینگے (۲) دوسرا ایندھن جہنم کا بُت ہیں مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا وجود نہ ہوتا تو جہنم بھی نہ ہوتا سو ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک کلام میں بہشت اور دوزخ اس جسمانی دنیا کی طرح نہیں ہے بلکہ ان دونوں کا مبدء اور منبع روحانی امور ہیں ہاں دو چیزیں دوسرے عالم میں جسمانی شکل پر نظر آئیں گی مگر اس جسمانی عالم سے نہیں ہونگی اب ہم پھر اصل مطلب کیطرف عود کرکے کہتے ہیں کہ خدا کے ساتھ روحانی اور کامل تعلق پیدا ہونیکا ذریعہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے اسلام اور دعاء فاتحہ ہے یعنی اول اپنی تمام زندگی خدا کی راہ میں وقف کردینا اور پھر اس دعا میں لگے رہنا جو سورۂ فاتحہ میں مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے تمام اسلام کا مغز یہ دونوں چیزیں ہیں اسلام اور دعاء فاتحہ دنیا میں خدا تک پہونچنے اور حقیقی نجات کا پانی پینے کے لیے یہی ایک اعلیٰ ذریعہ ہے بلکہ یہی ایک ذریعہ ہے جو قانون قدرت نے انسان کی اعلیٰ ترقی اور وصال الٰہی کے لیے مقرر کیا ہے اور وہی خدا کو پاتے ہیں کہ جو اسلام کے مفہوم کی روحانی آگ میں داخل ہوں اور دعاء فاتحہ میں لگے رہیں اسلام کیا چیز ہے وہی جلتی ہوئی آگ جو ہماری

سفلی زندگی کو بھسم کرکے اور ہمارے باطل معبودوں کو جلا کر سچے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان اور
ہمارے مال اور ہماری آبرو کی قربانی پیش کرتی ہے ایسے چشمہ میں داخل ہو کر ہم ایک نئی زندگی کا
پانی پیتے ہیں اور ہماری تمام روحانی قوتیں خدا سے یوں پیوند پکڑتی ہیں جیسا کہ ایک رشتہ
دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے بجلی کی آگ کی طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے اور ایک
آگ اوپر سے ہم پر اترتی ہے ان دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی
محبت بھسم ہو جاتی ہے اور ہم اپنی پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں اس حالت کا نام قرآن شریف کے رو سے
اسلام ہے اسلام سے ہماری نفسانی جذبات کو موت آتی ہے اور پھر دعا سے ہم از سر نو زندہ ہوتے ہیں
اس دوسری زندگی کے لیے الہام الٰہی ہونا ضروری ہے اسی مرتبہ پر پہونچنے کا نام لقاء الٰہی ہے
یعنی خدا کا دیدار اور خدا کا درشن۔ اس درجہ پر پہونچکر انسان کو خدا سے وہ اتصال ہوتا ہے کہ
گویا وہ اسکو آنکھ سے دیکھتا ہے اور اسکو قوت دیجاتی ہے اور اس کے تمام حواس اور تمام اندرونی
قوتیں روشن کی جاتی ہیں اور پاک زندگی کی کشش بڑے زور سے شروع ہو جاتی ہے اسی درجہ پر
آکر خدا انسان کی آنکھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور زبان ہو جاتا ہے جسکے ساتھ
وہ بولتا ہے اور ہاتھ ہو جاتا ہے جسکے ساتھ وہ حملہ کرتا ہے اور کان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ سنتا... ہے اور پیر ہو جاتا ہے جسکے ساتھ وہ
چلتا ہے اسی درجہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا فرماتا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یہ اسکا ہاتھ
خدا کا ہاتھ ہے جو ان کے ہاتھوں پر ہے اور ایسا ہی فرماتا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ
اللّٰہَ رَمٰی یعنی جو تو نے چلایا تو نے نہیں بلکہ خدا نے چلایا غرض اس درجہ پر خدا کے ساتھ کمال اتحاد
ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی پاک مرضی روح کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے اور اخلاقی
طاقتیں جو کمزور تھیں اس درجہ میں محکم پہاڑوں کی طرح نظر آتی ہیں عقل اور فراست نہایت
لطافت پر آجاتی ہے یہ معنی اس آیت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ
مِّنْہُ اس مرتبہ میں محبت اور عشق کی نہریں ایسے طور سے جوش مارتی ہیں جو خدا کے لیے مرنا اور
خدا کے لیے ہزاروں دکھ اٹھانا اور بے آبرو ہونا ایسا آسان ہو جاتا ہے کہ گویا ایک ہلکا سا
تنکا توڑنا ہے خدا کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ کون کھینچ رہا ہے ایک غیبی
ہاتھ اسکو اٹھائے پھرتا ہے اور خدا کی مرضیوں کو پورا کرنا اسکی زندگی کا اصل الاصول ٹھہر جاتا
ہے اس مرتبہ میں خدا بہت ہی قریب دکھائی دیتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ
اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کہ ہم اس سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ تر نزدیک ہیں ایسی
حالت میں اس مرتبہ کا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح پھل پختہ ہو کر خود بخود درخت پر سے گر جاتا ہے
اسی طرح اس مرتبہ کے آدمی کے تمام تعلقات سفلی کالعدم ہو جاتے ہیں اس کا اپنے خدا سے ایک گہرا

تعلق ہو جاتا ہے اور وہ مخلوق سے دور چلا جاتا اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات سے شرف پاتا ہے اس مرتبہ کے حاصل کرنے کے لیے اب بھی دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے کھلے ہوئے تھے اور اب بھی خدا کا فضل یہ نعمت ڈھونڈنے والوں کو دیتا ہے جیسا کہ پہلے دیتا تھا مگر یہ راہ محض زبان کی فضولیوں کے ساتھ حاصل نہیں ہوتی اور فقط بے حقیقت باتوں اور لافوں سے یہ دروازہ نہیں کھلتا چاہنے والے بہت ہیں مگر پانیوالے کم اس کا کیا سبب ہے یہی کہ یہ مرتبہ سچی سرگرمی سچی جانفشانی پر موقوف ہے باتیں قیامت تک کیا کرو کیا ہو سکتا ہے صدق سے اس آگ پر قدم رکھنا جس کے خوف سے اور لوگ بھاگ گئے ہیں اس راہ کی پہلی شرط ہے اگر عملی سرگرمی نہیں تو لاف زنی ہیچ ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۔ یعنی اگر میرے بندے میری نسبت سوال کریں کہ وہ کہاں ہے تو انکو کہہ کہ وہ تم سے بہت ہی قریب ہے میں دعا کرنے والے کی دعا سنتا ہوں پس چاہیے کہ وہ دعاؤں سے میرا وصل ڈھونڈیں اور مجھ پر ایمان لاویں تا کامیاب ہوویں +

موت کے بعد انسان کی کیا حالت ہوتی ہے

سو اس سوال کے جواب میں یہ گذارش ہے کہ موت کے بعد جو کچھ انسان کی حالت ہوتی ہے درحقیقت وہ کوئی نئی حالت نہیں ہوتی بلکہ وہی دنیا کی زندگی کی حالتیں زیادہ صفائی سے کھل جاتی ہیں جو کچھ انسان کے عقائد اور اعمال کی کیفیت صالحہ یا غیر صالحہ ہوتی ہے وہ اس جہان میں مخفی طور پر اس کے اندر ہوتی ہے اور اس کا تریاق یا زہر ایک چھپی ہوئی تاثیر انسانی وجود پر ڈالتا ہے مگر آنیوالے جہان میں ایسا نہیں رہیگا بلکہ وہ تمام کیفیات کھلا کھلا اپنا چہرہ دکھلائیں گی اس کا نمونہ عالم خواب میں پایا جاتا ہے کہ انسان کے بدن پر جس قسم کے مواد غالب ہوتے ہیں عالم خواب میں اسی قسم کی جسمانی حالتیں نظر آتی ہیں جب کوئی تیز تپ چڑھنے کو ہوتا ہے تو خواب میں اکثر آگ اور آگ کے شعلے نظر آتے ہیں اور بلغمی تپوں اور ریزش اور زکام کے غلبہ میں انسان اپنے تئیں پانی میں دیکھتا ہے غرض جسطرح کی بیماریوں کے لیے بدن نے طیاری کی ہو وہ کیفیتیں تمثل کے طور پر خواب میں نظر آجاتی ہیں۔ پس خواب کے سلسلہ پر غور کرنے سے ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ عالم ثانی میں بھی یہی سنّۃ اللہ ہے کیونکہ جسطرح خواب ہم میں ایک خاص تبدیلی پیدا کرکے روحانیات کو جسمانی طور پر تبدیل کرکے دکھلاتا ہے اُس عالم میں بھی یہی ہوگا اور اُسدن ہمارے اعمال اور اعمال کے نتائج جسمانی طور پر ظاہر ہوں گے اور جو کچھ ہم اس عالم سے مخفی طور پر ساتھ لیجائیں گے وہ سب اُسدن ہمارے چہرہ پر نمودار نظر آئیگا اور جیسا کہ انسان جو کچھ خواب میں طرح طرح کے تمثلات

دیکھتا ہے اور کبھی گمان نہیں کرتا کہ یہ تمثلات ہیں بلکہ انہیں واقعی چیزیں یقین کرتا ہے ایسا ہی اُس عالم میں ہوگا بلکہ خدا تمثلات کے ذریعہ سے اپنی نئی قدرت دکھائے گا چونکہ وہ قدرت کامل ہے پس اگر ہم تمثلات کا نام بھی نہ لیں اور یہ کہیں کہ وہ خدا کی قدرۃ سے ایک نئی پیدایش ہے تو یہ تقریر بہت درست اور واقعی اور صحیح ہے خدا فرماتا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ یعنی کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اسکے لیے مخفی ہیں سو خدا نے ان تمام نعمتوں کو مخفی قرار دیا جنکا دنیا کی نعمتوں میں نمونہ نہیں یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں ہیں اور دودھ اور انار اور انگور وغیرہ کو ہم جانتے ہیں اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اور ہیں اور انکو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہی پس جسنے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا اُس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا اس آیت کی شرح میں جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہشت اور اسکی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں حالانکہ ہم دنیا کی نعمتوں کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور کانوں سے بھی سنتے ہیں اور دل میں بھی وہ نعمتیں گذرتی ہیں پس جبکہ خدا اور رسول اُسکا ان چیزوں کو ایک نرالی چیزیں بتلاتا ہے تو ہم قرآن سے دور جا پڑتے ہیں اگر یہ گمان کریں کہ بہشت میں بھی دنیا کا ہی دودھ ہوگا جو گایوں اور بھینسوں سے دوہا جاتا ہے گویا دودھ دینے والے جانوروں کے وہاں ریوڑ کے ریوڑ موجود ہونگے اور درختوں پر شہد کی مکھیوں نے بہت سے چھتے لگائے ہوئے ہوں گے اور فرشتے تلاش کر کے وہ شہد نکالیں گے اور نہروں میں ڈالیں گے کیا ایسے خیالات اس تعلیم سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جسمیں یہ آیتیں موجود ہیں کہ دنیا نے ان چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا اور وہ چیزیں روح کو روشن کرتی ہیں اور خدا کی معرفت بڑھاتی ہیں اور روحانی غذائیں ہیں گو ان غذاؤں کا تمام نقشہ جسمانی رنگ پر ظاہر کیا گیا ہے مگر ساتھ ساتھ بتایا گیا ہے کہ ان کا سرچشمہ روح اور راستی ہے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے یہ پایا جاتا ہے کہ جو جو نعمتیں بہشت میں دیجائیں گی ان نعمتوں کو دیکھ کر بہشتی لوگ انکو شناخت کرلیں گے کہ یہی نعمتیں ہمیں پہلے بھی ملی تھیں جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْھَا مِنْ ثَمَرَۃٍ رِّزْقًا قَالُوْا ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِہٖ

مُتَشَابِهًا - یعنی جو لوگ ایمان لانیوالے اور اچھے کام کرنیوالے ہیں جنمیں ذرہ فساد نہیں انکو خوشخبری دے کو وہ اُس بہشت کے وارث ہیں جسکے نیچے نہریں بہتی ہیں جب وہ عالم آخرۃ میں ان درختوں کے ان پھلوں میں سے جو دنیا کی زندگی میں ہی انکو مل چکے تھے پائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو وہ پھل ہیں جو ہمیں پہلے ہی دیئے گئے تھے کیونکہ وہ ان پھلوں کو ان پہلے پھلوں سے مشابہ پائیں گے - اب یہ گمان کہ پہلے پھلوں سے مراد دنیا کی جسمانی نعمتیں ہیں بالکل غلطی ہے اور آیت کے بدیہی معنے اور اس کے منطوق کے بالکل برخلاف ہے بلکہ اللہ جلّ شانہ اس آیت میں یہ فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لاے اور اعمال صالحہ کیے اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے ایک بہشت بنایا ہے جس کے درخت ایمان اور جسکی نہریں اعمال صالحہ ہیں اسی بہشت کا وہ آیندہ بھی پھل کھائیں گے اور وہ پھل زیادہ نمایاں اور شیریں ہوگا - اور چونکہ وہ روحانی طور پر اسی پھل کو دنیا میں کھا چکے ہوں گے اس لیے دوسری دنیا میں اس پھل کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل معلوم ہوتے ہیں کہ جو پہلے ہمارے کھانے میں آچکے ہیں اور اس پھل کو اس پہلی خوراک سے مشابہ پائیں گے سو یہ آیت صریح بتا رہی ہے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کی محبت اور پیار کی غذا کھاتے تھے اب جسمانی شکل پر وہی غذا اُن کو ملے گی اور چونکہ وہ پریت اور محبت کا مزہ چکھ چکے تھے اور اس کیفیت سے آگاہ تھے اس لیے ان کی روح کو وہ زمانہ یاد آجائے گا کہ جب وہ گوشوں اور خلوتوں میں اور رات کے اندھیروں میں محبت کے ساتھ اپنے محبوب حقیقی کو یاد کرتے اور اس یاد سے لذت اُٹھاتے تھے - غرض اسجگہ جسمانی غذاوں کا کچھ ذکر نہیں اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جبکہ روحانی طور پر عارفوں کو یہ غذا دنیا میں مل چکی تھی تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی نعمتیں ہیں کہ نہ دنیا میں کسی نے دیکھیں نہ سُنیں اور نہ کسی کے دل میں گذریں - اور اس صورت میں ان دونوں آیتوں میں تناقض پایا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تناقض اُس صورت میں ہوتا کہ جب اس آیت میں دنیا کی نعمتیں مراد ہوتیں لیکن جب اسجگہ دنیا کی نعمتیں مراد نہیں ہیں جو کچھ عارف کو معرفت کے رنگ میں ملتا ہے وہ درحقیقت دوسرے جہان کی نعمت ہوتی ہے جس کا نمونہ شوق دلانیکے لیے پہلے ہی دیا جاتا ہے - یاد رکھنا چاہیے کہ باخدا آدمی دنیا میں سے نہیں ہوتا اس لیے تو دنیا اس سے بغض رکھتی ہے بلکہ وہ آسمان سے ہوتا ہے اسلیے آسمانی نعمت اسکو ملتی ہے دنیا کا آدمی دنیا کی نعمتیں پاتا ہے اور آسمان کا آسمانی نعمتیں حاصل کرتا ہے سو یہ بالکل سچ ہے کہ وہ نعمتیں دنیا کے کانوں اور دنیا کے دلوں اور دنیا کی آنکھوں سے چھپائی گئیں لیکن جسکی دنیوی زندگی پر موت آجائے اور وہ پیالہ روحانی

طور پر اسکو پلایا جائے جو آگے جسمانی طور پر پیا جاے گا اسکو یہ پینا اسوقت یاد آجائے گا جبکہ وہی پیالہ جسمانی طور پر اسکو دیا جائے گا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہ اس نعمت سے دنیا کی آنکھ اور کان وغیرہ کو بیخبر سمجھے گا چونکہ وہ دنیا میں تھا اگرچہ دنیا میں سے نہیں تھا اس لیے وہ بھی گواہی دیگا کہ دنیا کی نعمتوں سے وہ نعمت نہیں نہ دنیا میں اسکی آنکھ نے ایسی نعمت دیکھی نہ کان نے سنی اور نہ دل میں گذری - لیکن دوسری زندگی میں اس کے نمونے دیکھے جو دنیا میں سے نہیں تھے بلکہ وہ آنیوالے جہان کی ایک خبر تھی اور اُسی سے اُس کا رشتہ اور تعلق تھا دنیا سے کچھ تعلق نہیں تھا اب قاعدہ کلی کے طور پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ موت کے بعد جو حالتیں پیش آتی ہیں قرآن شریف نے انھیں تین قسم پر منقسم کیا ہے اور عالم معاد کے متعلق یہ تین قرآنی معارف ہیں جنکو ہم جدا جدا اسجگہ ذکر کرتے ہیں ۔

پہلا دقیقہ معرفت - اوّل یہ دقیقہ معرفت ہے کہ قرآن شریف بار بار یہی فرماتا ہے کہ عالم آخرت کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کے تمام نظارے اسی دنیوی زندگی کے اظلال و آثار ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۴﴾ یعنی ہم نے اسی دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اس کی گردن سے باندھ رکھا ہے اور انھیں پوشیدہ اثروں کو ہم قیامت کے دن ظاہر کردینگے اور ایک کھلے کھلے اعمال نامہ کی شکل پر دکھلا دینگے اس آیۃ میں جو طائر کا لفظ ہے تو واضح ہو کہ طائر اصل میں پرندہ کو کہتے ہیں پھر استعارہ کے طور پر اس سے مراد عمل بھی لیا گیا ہے کیونکہ ہر ایک عمل نیک ہو یا بد ہو وہ وقوع کے بعد پرندہ کی طرح پرواز کرجاتا ہے اور مشقت یا لذت اس کی کالعدم ہو جاتی ہے اور دل پر اس کی کثافت یا لطافت باقی رہجاتی ہے یہ قرآنی اصول ہے کہ ہر ایک عمل پوشیدہ طور پر اپنے نقوش جماتا رہتا ہے جسطور کا انسان کا فعل ہوتا ہے اُس کے مناسب حال ایک خدا تعالے کا فعل صادر ہوتا ہے اور وہ فعل اس گناہ کو یا اس کی نیکی کو ضائع ہونے نہیں دیتا بلکہ اسکے نقوش دل پر منہ پر آنکھوں پر کانوں پر ہاتھوں پر پیروں پر لکھے جاتے ہیں اور یہی پوشیدہ طور پر ایک اعمال نامہ ہے جو دوسری زندگی میں کھلے طور پر ظاہر ہو جائے گا اور پھر ایک دوسری جگہ بہشتیوں کے بارہ میں فرماتا ہے يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ یعنی اس دن بھی ایمانی نور جو پوشیدہ طور پر مومنوں کو حاصل ہے کھلے کھلے طور پر ان کے آگے اور ان کے داہنے ہاتھ پر دوڑتا نظر آئے گا پھر ایک اور جگہ بدکاروں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ - لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ؕ یعنی دنیا کی کثرت حرص وہوا نے تمھیں آخرت کی تلاش سے روک رکھا یہاں تک کہ تم قبروں میں

جا پڑے دنیا سے دل مت لگاؤ تم عنقریب جان لو گے کہ دنیا سے دل لگانا اچھا نہیں پھر میں کہتا ہوں کہ عنقریب تم جان لو گے کہ دنیا سے دل لگانا اچھا نہیں اگر تمہیں یقینی علم حاصل ہو تو تم دوزخ کو اسی دنیا میں دیکھ لو گے پھر برزخ کے عالم میں یقینی آنکھوں کے ساتھ دیکھو گے پھر عالم حشر اجساد میں پورے مواخذہ میں آجاؤ گے اور وہ عذاب تم پر کامل طور پر وارد ہو جائے گا اور صرف قال سے نہیں بلکہ حال سے تمہیں دوزخ کا علم حاصل ہو جائے گا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ اسی جہان میں بدکاروں کے لیے جہنمی زندگی پوشیدہ طور پر ہوتی ہے اور اگر غور کریں تو اپنی دوزخ کو اسی دنیا میں دیکھ لیں گے اور اس جگہ اللہ تعالیٰ نے علم کو تین درجوں پر منقسم کیا ہے یعنی علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین اور عوام کے سمجھنے کے لیے ان تینوں علموں کی یہ مثالیں ہیں کہ اگر مثلاً ایک شخص دور سے کسی جگہ بہت سا دھواں دیکھے اور پھر دھوئیں سے ذہن منتقل ہو کر آگ کی طرف چلا جائے اور آگ کے وجود کا یقین کرے اور اس خیال سے کہ دھوئیں اور آگ میں ایک تعلق لاینفک اور ملازمت تامہ ہے جہاں دھواں ہو گا ضرور ہے کہ آگ بھی ہو پس اس علم کا نام علم الیقین ہے اور پھر جب آگ کے شعلے دیکھ لے تو اس علم کا نام عین الیقین ہے اور جب اس آگ میں آپ ہی داخل ہو جائے تو اس علم کا نام حق الیقین ہے۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہنم کے وجود کا علم الیقین تو اسی دنیا میں ہو سکتا ہے۔ پھر عالم برزخ میں عین الیقین حاصل ہو گا اور عالم حشر اجساد میں وہی علم حق الیقین کے کامل مرتبہ تک پہنچ جائے گا۔

اس جگہ واضح رہے کہ قرآنی تعلیم کی رو سے تین عالم ثابت ہوتے ہیں۔ اول دنیا جس کا نام عالم کسب اور نشاء اولیٰ ہے اسی دنیا میں انسان اکتساب نیکی کا یا بدی کا کرتا ہے اور اگرچہ عالم بعث میں نیکوں کے واسطے ترقیات ہیں مگر وہ محض خدا کے فضل سے ہیں انسان کے کسب کو ان میں دخل نہیں (۲) اور دوسرے عالم کا نام برزخ ہے اصل میں لفظ برزخ لغت عرب میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو دو چیزوں کے درمیان واقع ہو سو چونکہ یہ زمانہ عالم بعث اور عالم نشاء اولیٰ میں واقعہ ہے اس لیے اس کا نام برزخ ہے لیکن یہ لفظ قدیم سے اور جب سے کہ دنیا کی بنا پڑی عالم درمیانی پر بولا گیا ہے اسلیے اس لفظ میں عالم درمیانی کے وجود پر ایک عظیم الشان شہادت مخفی ہے ہم **مِنَنُ الرَّحمٰن** میں ثابت کر چکے ہیں کہ عربی کے الفاظ وہ الفاظ ہیں جو خدا کے منہ سے نکلے ہیں اور دنیا میں فقط یہی ایک زبان ہے جو خدائے قدوس کی زبان اور قدیم اور تمام علوم کا سرچشمہ اور تمام زبانوں کی ماں اور خدا کی وحی کا پہلا اور پچھلا تخت گاہ ہے۔ خدا کی وحی کا پہلا تخت گاہ اسلیے کہ تمام عربی خدا کا کلام تھا جو قدیم سے خدا کے ساتھ تھا پھر وہی کلام دنیا میں اترا اور دنیا نے اس سے اپنی بولیاں بنائیں اور آخری تخت گاہ خدا کا اس لیے لغت عربی ٹھہری کہ آخری کتاب خدا تعالیٰ کی جو قرآن شریف ہے عربی میں نازل ہوئی

سو برزخ عربی لفظ ہے جو مرکب ہے زخ اور برّ سے جس کے معنی یہ ہیں کہ طریق کسب اعمال ختم ہوگیا اور ایک مخفی حالت میں پڑ گیا۔ برزخ کی حالت وہ حالت ہے کہ جب یہ ناپائدار ترکیب انسانی تفرق پذیر ہو جاتی ہے اور روح الگ اور جسم الگ ہو جاتا ہے اور جیسا کہ دیکھا گیا ہے جسم کسی گڑھے میں ڈال دیا جاتا ہے اور روح بھی ایک قسم کے گڑھے میں پڑ جاتی ہے جس پر لفظ برزخ کا دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ افعال کسب خیر یا شر پر قادر نہیں ہوسکتی کہ جو جسم کے تعلقات سے اس سے صادر ہوسکتے تھے یہ تو ظاہر ہے کہ ہماری روح کی عمدہ صحت جسم پر موقوف ہے دماغ کے ایک خاص حصہ پر چوٹ لگنے سے حافظہ جاتا رہتا ہے اور دوسرے حصہ پر آفت پہنچنے سے قوت متفکرہ رخصت ہوتی ہے اور تمام ہوش و حواس رخصت ہو جاتے ہیں اور دماغ میں اک کسی قسم کا تشنج ہو جانے یا ورم پیدا ہو یا خون یا کوئی اور مادہ ٹھہر جاوے اور کسی سُدہ تام یا غیر تام کو پیدا کرے تو غشی یا مرگی یا سکتہ معًا لاحق حال ہو جاتا ہے پس ہمارا قدیم کا تجربہ ہمیں یقینی طور پر سکھلاتا ہے کہ ہماری روح بغیر تعلق جسم کے بالکل نکمی ہے سو یہ بات بالکل باطل ہے کہ ہم ایسا خیال کریں کہ کسی وقت میں ہماری مجرد روح جس کے ساتھ جسم نہیں ہے کسی خوشحالی کو پا سکتی ہے اگر ہم قصہ کے طور پر اسکو قبول کریں تو کریں لیکن معقولی طور پر اسکے ساتھ کوئی دلیل نہیں ہم بالکل سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ہماری روح جسم کے ادنیٰ ادنیٰ خلل کے وقت بیکار ہو کر بیٹھ جاتی ہے وہ اس روز کیونکر کامل حالت پر رہیگی جبکہ بالکل جسم کے تعلقات سے محروم کی جاوے گی کیا ہر روزہ ہمیں تجربہ نہیں سمجھاتا کہ روح کی صحت کے لیے جسم کی صحت ضروری ہے جب ایک شخص ہم میں سے پیر فرتوت ہو جاتا ہے تو ساتھ ہی اُسکی روح بھی بوڑھی ہو جاتی ہے اسکا تمام علمی سرمایہ بڑھاپا کا چور چرا کرلے جاتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے لِکَیْلَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا یعنی انسان بڈھا ہو کر ایسی حالت تک پہونچ جاتا ہے کہ پڑھ پڑھا کر پھر جاہل بنجاتا ہے پس ہمارا یہ مشاہدہ اس بات پر کافی دلیل ہے کہ روح بغیر جسم کے کچھ چیز نہیں پھر یہ خیال بھی انسان کو حقیقی سچائی کیطرف توجہ دلاتا ہے اگر روح بغیر جسم کے کچھ چیز ہوتی تو خدا تعالیٰ کا یہ کام لغو ٹھہرتا کہ اسکو خواہ نخواہ جسم فانی سے پیوند دیتا اور پھر یہ بھی سوچنے کے لائق ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو غیر متناہی ترقیات کے لیے پیدا کیا ہے پس جس حالت میں انسان اس مختصر زندگی کی ترقیات کو بغیر رفاقت جسم کے حاصل نہیں کر سکا تو کیونکر امید رکھیں کہ ان نامتناہی ترقیات کو جو ناپیدا کنار ہیں بغیر رفاقت جسم کے خود بخود حاصل کر لیگا سو ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح کے افعال کاملہ صادر ہونے کے لیے اسلامی اصول کے رو سے جسم کی رفاقت روح کے ساتھ دائمی ہے گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک روح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کے لیے جسم ملتا ہے وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور

یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم طیار ہوتا ہے گویا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں ایسا ہی خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے اور بعض جسم نورانی اور بعض ظلمانی قرار دیے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظلمت سے طیار ہوتے ہیں اگرچہ یہ راز ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں انسان کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کیفیت جسم کے علاوہ پا سکتا ہے اور عالم مکاشفات میں اسکی بہت مثالیں ہیں۔ اگرچہ ایسے شخص کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے جو صرف ایک موٹی عقل کی حد تک ٹھہرا ہوا ہے لیکن جنکو عالم مکاشفات میں سے کچھ حصہ ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال سے طیار ہوتا ہے تعجب اور استبعاد کی نگہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے لذت اٹھائیں گے غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے ملتا ہے یہی عالم برزخ میں نیک و بد کی جزا کا موجب ہو جاتا ہے میں اسمیں صاحب تجربہ ہوں مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مُردوں کی ملاقات کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنیوالوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا ہے کہ گویا وہ دھویں سے بنایا گیا ہے غرض میں اس کوچہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں اور میں زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور مرنے کے بعد ہر ایک کو ایک جسم ملتا ہے خواہ نورانی خواہ ظلمانی انسان کی یہ غلطی ہوگی اگر وہ ان نہایت باریک معارف کو صرف عقل کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہے بلکہ جاننا چاہیے کہ جیسا کہ آنکھ شیریں چیز کا مزہ نہیں بتلا سکتی اور نہ زبان کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے ایسا ہی وہ علوم معاد جو پاک مکاشفات سے حاصل ہو سکتے ہیں صرف عقل کے ذریعہ سے ان کا عقدہ حل نہیں ہو سکتا خدا نے اس دنیا میں مجہولات کے جاننے کے لیے علیحدہ علیحدہ وسائل رکھے ہیں پس ہر ایک چیز کو اسکے وسیلہ کے ذریعہ سے ڈھونڈو تب اسے پا لوگے ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ خدا نے ان لوگوں کو جو بدکاری اور گمراہی میں پڑ گئے اپنے کلام میں مُردہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور نیکوکاروں کو زندہ قرار دیا ہے اسمیں بھید یہ ہے کہ جو لوگ خدا سے غافل ہوئے ان کی زندگی کے اسباب جو کھانا پینا اور شہوتوں کی پیروی تھی منقطع ہو گئے اور روحانی غذا سے انکو کچھ حصہ نہ تھا پس وہ درحقیقت مر گئے اور وہ صرف عذاب اٹھانے کے لیے زندہ ہوں گے اسی بھید کیطرف اللہ جل شانہ نے اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ کہتا ہے وَمَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى یعنی جو شخص مجرم بنکر خدا کے پاس آئیگا تو اسکا ٹھکانا جہنم ہے وہ اسمیں نہ مریگا اور نہ زندہ رہیگا مگر جو لوگ خدا کے محب ہیں وہ موت سے نہیں مرتے کیونکہ انکا پانی اور انکی روٹی ان کے ساتھ ہوتی ہے پھر برزخ کے بعد وہ زمانہ ہے جسکا نام عالم بعث ہے اس زمانہ میں ہر ایک روح نیک ہو یا بد صالح ہو یا فاسق ایک کھلا کھلا جسم حاصل کرے گی اور یہ دن خدا کی ان پوری تجلیات

کے لیے مقرر کیا گیا ہے جس میں ہر ایک انسان اپنے رب کی ہستی سے پورے طور پر واقف ہو جائے گا اور ہر ایک شخص اپنے جزا کے انتہائی نقطہ تک پہونچے گا یہ تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ خدا سے یہ کیونکر ہو سکے گا کیونکہ وہ ہر ایک قدرت کا مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ یعنی کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسکو ایک قطرہ پانی سے پیدا کیا جو رحم میں ڈالا گیا تھا پھر وہ ایک جھگڑنے والا آدمی بنگیا ہمارے لیے باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدایش بھول گیا اور کہنے لگا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جبکہ ہڈیاں بھی سلامت نہیں رہیں گی تو پھر انسان نئے سرے زندہ ہوگا ایسی قدرت والا کون ہے جو اسکو زندہ کرے گا ان کو کہہ وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے اسکو پیدا کیا تھا اور وہ ہر ایک قسم سے اور ہر ایک راہ سے زندہ کرنا جانتا ہے اس کے حکم کی یہ شان ہے کہ جب کسی چیز کے ہونیکا ارادہ کرتا ہے تو صرف یہی کہتا ہے کہ ہو پس وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے پس وہ ذات پاک ہے جس کی ہر ایک چیز پر بادشاہی ہے اور تم سب اسی کیطرف رجوع کرو گے۔ سو ان آیات میں اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ خدا کے آگے کوئی چیز ان ہونی نہیں جسنے ایک قطرہ حقیر سے انسان کو پیدا کیا کیا وہ دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے عاجز ہے +

اسجگہ ایک اور سوال ناواقفوں کی طرف سے ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جبحالت میں تیسرا عالم جو عالم بعث ہے مدت دراز کے بعد آئے گا تو اس صورت میں ہر ایک نیک و بد کے لیے عالم برزخ صرف بطور حوالات کے ہوا جو ایک امر عبث معلوم ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا سمجھنا سراسر غلطی ہے جو محض ناواقفی سے پیدا ہوتی ہے بلکہ خدا کی کتاب میں نیک و بد کی جزا کے لیے دو مقام پائے جاتے ہیں ایک عالم برزخ جس میں مخفی طور پر ہر ایک شخص اپنی جزا پائیگا برے لوگ مرنیکے بعد ہی جہنم میں داخل ہونگے نیک لوگ مرنیکے بعد ہی جنت میں آرام پائیں گے چنانچہ اس قسم کی آیتیں قرآن شریف میں بکثرت ہیں کہ مجرد موت کے ہر ایک انسان اپنے اعمال کی جزا دیکھ لیتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ ایک بہشتی کے بارہ میں خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ یعنی اسکو کہا گیا کہ تو بہشت میں داخل ہو اور ایسا ہی ایک دوزخی کی خبر دیکر فرماتا ہے فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ یعنی ایک بہشتی کا ایک دوست دوزخی تھا جب وہ دونوں مر گئے تو بہشتی حیران تھا کہ میرا دوست کہاں ہے پس اسکو دکھلایا گیا کہ وہ جہنم کے

درمیان ہے سو جزا سزا کی کارروائی تو بلا توقف شروع ہو جاتی ہے اور دوزخی دوزخ میں اور بہشتی
بہشت میں جاتے ہیں مگر اسکے بعد ایک اور تجلی اعلیٰ کا دن ہے جو خدا کی بڑی حکمت نے اسدن کے ظاہر
کرنیکا تقاضا کیا ہے کیونکہ اُس نے انسان کو پیدا کیا تا وہ اپنی خالقیت کے ساتھ شناخت کیا جاوے
اور پھر وہ سبکو ہلاک کریگا تا کہ وہ اپنی قہاریت کے ساتھ شناخت کیا جاوے اور پھر ایکدن سبکو کامل
زندگی بخشکر ایک میدان میں جمع کرے گا تا کہ وہ اپنی قادریت کے ساتھ پہچانا جاوے - اب جاننا چاہیے
کہ دقائق مذکورہ میں سے یہ پہلا دقیقہ معرفت خاص کا بیان ہوا +

دوسرا دقیقہ معرفت - دوسرا دقیقہ معرفت جسکو عالم معاد کے متعلق قرآن شریف نے ذکر فرمایا ہے وہ
یہ ہے کہ عالم معاد میں وہ تمام امور جو دنیا میں روحانی تھے جسمانی طور پر متمثل ہوں گے خواہ عالم معاد میں
برزخ کا درجہ ہو یا عالم بعث کا درجہ اسبارہ میں جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اسمیں سے ایک یہ آیت ہے
مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا یعنی جو شخص اس
جہان میں اندھا ہوگا وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہوگا - اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اس جہان کی روحانی
نابینائی اُس جہان میں جسمانی طور پر مشہود اور محسوس ہوگی ایسا ہی دوسری آیت میں فرماتا ہے خُذُوْهُ
فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ یعنی اس
جہنمی کو پکڑو اسکی گردن میں طوق ڈالو پھر دوزخ میں اسکو جلاؤ پھر ایسی زنجیر میں جو پیمایش میں ستر گز ہے
اسکو داخل کرو جاننا چاہیے کہ ان آیات میں ظاہر فرمایا ہے کہ دنیا کا روحانی عذاب عالم معاد میں جسمانی
طور پر نمودار ہوگا چنانچہ طوق گردن دنیا کی خواہشوں کا جس نے انسان کے سر کو زمین کیطرف جھکا رکھا
تھا وہ عالم ثانی میں ظاہری صورت پر نظر آجائیگا اور ایسا ہی دنیا کی گرفتاریونکی زنجیر پیروں میں پڑی
ہوئی دکھائی دے گی اور دنیا کی خواہشونکی سوزشونکی آگ ظاہر بھڑکی ہوئی نظر آئیگی - فاسق انسان
دنیا کی زندگی میں ہوا وہوس کا ایک جہنم اپنے اندر رکھتا ہے اور ناکامیونمیں اس جہنم کی سوزشونکا
احساس کرتا ہے پس جبکہ اپنی فانی شہوات سے دور ڈالا جاوے گا اور ہمیشہ کی نا اُمیدی طاری ہوگی
تو خدا تعالیٰ ان حسرتونکو جسمانی آگ کے طور پر اسپر ظاہر کرے گا جیساکہ وہ فرماتا ہے وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ
وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ یعنی انمیں اور ان کی خواہشوں کی چیزوں میں جدائی ڈالی جاوے گی اور یہی
عذاب کی جڑ ہوگی اور پھر جو فرمایا کہ ستر گز کی زنجیر میں اسکو داخل کرو یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے
کہ ایک فاسق بسا اوقات ستر برس کی عمر پا لیتا ہے بلکہ کئی دفعہ اس دنیا میں اسکو ایسے ستر برس بھی
ملتے ہیں کہ خورد سالی کی عمر اور پیر فرتوت ہونے کی عمر الگ کرکے پھر اسقدر صاف اور خالص حصہ عمر کا
اسکو ملتا ہے جو عقلمندی اور محنت اور کام کے لائق ہوتا ہے لیکن وہ بدبخت اپنی عمدہ زندگی کے ستر برس
دنیا کی گرفتاریوں میں گذارتا ہے اور اس زنجیر سے آزاد ہونا نہیں چاہتا سو خدا تعالیٰ اس آیت میں

فرماتا ہے کہ وہی ستر برس جو اسنے گرفتاری دنیا میں گذارے تھے عالم معاد میں ایک زنجیر کیطرح متمثل ہو جائینگے جو ستر گز کی ہوگی۔ ہر ایک گز بجائے ایک سال کے ہے اسجگہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے بندہ پر کوئی مصیبت نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کے اپنے برے کام اسکے آگے رکھدیتا ہے پھر اسی اپنی سُنت کے اظہار میں خدا تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ یعنی اے بدکارو گمراہو سہ گوشہ سایہ کیطرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جو سایہ کا کام نہیں دسکتیں اور نہ گرمی سے بچا سکتی ہیں اس آیت میں تین شاخوں سے مراد قوت سبعی اور بہیمی اور وہمی ہے جو لوگ ان تینوں قوتوں کو اخلاقی رنگ میں نہیں لاتے اور ان کی تعدیل نہیں کرتے ان کی یہ قوتیں قیامت میں اسطرح پر نمودار کی جائینگی کہ گویا تین شاخیں بغیر پتوں کے کھڑی ہیں اور گرمی سے بچا نہیں سکتیں اور وہ گرمی سے جلیں گے پھر ایسا ہی خدا تعالیٰ اپنی اسی سُنت کے اظہار کے لیے بہشتیوں کے حق میں فرماتا ہے یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ یعنی اُسروز تو دیکھیگا کہ مومنوں کا یہ نور جو دنیا میں پوشیدہ طور پر ہے ظاہر ظاہر اُن کے آگے اور ان کے داہنی طرف دوڑتا ہوگا اور پھر ایک اور آیت میں فرماتا ہے یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ یعنی اُسدن بعض مُنہ سیاہ ہو جائینگے اور بعض سفید اور نورانی ہو جائیں گے اور پھر ایک اور آیت میں فرماتا ہے مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔ یعنی وہ بہشت جو پرہیزگاروں کو دی جائیگی اسکی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک باغ ہے اسمیں اُس پانی کی نہریں ہیں جو کبھی متعفن نہیں ہوتا اور نیز اسمیں اُس دودھ کی نہریں ہیں جس کا کبھی مزہ نہیں بدلتا اور نیز اسمیں اُس شراب کی نہریں ہیں جوؔ[ھ] نہایت صاف ہے جس کے ساتھ کوئی کثافت نہیں اسجگہ صاف طور پر فرمایا کہ اس بہشت کو مثالی طور پر یوں سمجھلو کہ ان تمام چیزوں کی اسمیں ناپیداکنار نہریں ہیں وہ زندگی کا پانی جو عارف دنیا میں روحانی طور پر پیتا ہے اسمیں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہ روحانی دودھ جس سے وہ شیرخوار بچہ کیطرح روحانی طور پر دنیا میں پرورش پاتا ہے بہشت میں ظاہر ظاہر دکھائی دیگا اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ دنیا میں روحانی طور پر[ھ] عارف کے مُنہ میں جاتا تھا وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں نہر کیطرح دکھائی دیگا اور ہر ایک بہشتی اپنی نہروں اور اپنے باغوں کے ساتھ اپنی روحانی حالت کا اندازہ برہنہ کر کے دکھلا دیگا اور خدا بھی اُسدن بہشتیوں کے لیے حجابوں سے باہر آجائے گا غرض روحانی حالتیں مخفی نہیں رہینگی بلکہ جسمانی طور پر نظر آئیں گی +

تیسرا دقیقہ معرفت۔ تیسرا دقیقہ معرفت کا یہ ہے کہ عالم معاد میں ترقیات غیر متناہی ہوں گی اسمیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

[ھ] سراسر سرور بخش ہے جس کے ساتھ خمار نہیں اور نیز اس میں اس شہد کی نہریں ہیں جو

[ھ] ہمیشہ مست رہتا تھا اب بہشت میں ظاہر ظاہر اسکی نہریں نظر آئیں گے اور وہ حلاوت ایمانی کا شہد جو دنیا میں روحانی طور پر

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ - یعنی جو لوگ دنیا میں ایمان کا نور رکھتے ہیں اُن کا نور قیامت کو ان کے آگے اور اُن کے داہنی طرف دوڑتا ہوگا وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ اے خدا ہمارے نور کو کمال تک پہنچا اور اپنی مغفرت کے اندر ہمیں لے تو ہر چیز پر قادر ہے اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ ہمارے نور کو کمال تک پہنچا یہ ترقیات غیر متناہیہ کیطرف اشارہ ہے یعنی ایک کمال نورانیت کا انہیں حاصل ہوگا پھر دوسرا کمال نظر آئے گا اُسکو دیکھکر پہلے کمال کو ناقص پائینگے پس کمال ثانی کے حصول کے لیے التجا کرینگے اور جب وہ حاصل ہوگا تو ایک تیسرا مرتبہ کمال کا انپر ظاہر ہوگا۔ پھر اسکو دیکھکر پہلے کمالات کو ہیچ سمجھیں گے اور اسکی خواہش کرینگے یہی ترقیات کی خواہش ہے جو اَتْمِمْ کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے +

غرض اسیطرح غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا چلا جائیگا تنزل کبھی نہیں ہوگا اور نہ کبھی بہشت سے نکالے جائینگے بلکہ ہر روز آگے بڑھینگے اور پیچھے نہ ہٹیں گے اور یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ اپنی مغفرت چاہینگے اسجگہ سوال یہ ہے کہ جب بہشت میں داخل ہوگئے تو پھر مغفرت میں کیا کسر رہگئی اور جب گناہ بخشے گئے تو پھر استغفار کی کونسی حاجت رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مغفرت کے اصل معنی یہ ہیں ناملائم اور ناقص حالت کو نیچے دبانا اور ڈھانکنا سو بہشتی اسبات کی خواہش کرینگے کہ کمال تام حاصل کریں اور سراسر نور میں غرق ہو جائیں وہ دوسری حالت کو دیکھکر پہلی حالت کو ناقص پائینگے پس چاہیں گے کہ پہلی حالت نیچے دبائی جائے پھر تیسرے کمال کو دیکھکر یہ آرزو کرینگے کہ دوسرے کمال کی نسبت مغفرۃ ہو یعنی وہ حالت ناقصہ نیچے دبائی جاوے اور مخفی کی جاوے اسیطرح غیر متناہی مغفرت کے خواہشمند رہیںگے یہ وہی لفظ مغفرت اور استغفار کا ہے جو بعض نادان بطور اعتراض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیش کیا کرتے ہیں سو ناظرین نے اسجگہ سے سمجھ لیا ہوگا یہی خواہش استغفار فخر انسان ہے جو شخص کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور پھر ہمیشہ کے لیے استغفار اپنی عادت نہیں پکڑتا وہ کیڑا ہے نہ انسان اور اندھا ہے نہ سوجاکھا اور ناپاک ہے اور نہ طیب +

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن شریف کی رو سے دوزخ اور بہشت دونوں اصل میں انسان کی زندگی کے اظلال اور آثار ہیں۔ کوئی ایسی نئی جسمانی چیز نہیں ہے کہ جو دوسری جگہ سے آوے۔ یہ سچ ہے کہ وہ دونوں جسمانی طور سے متمثل ہونگے مگر وہ اصل روحانی حالتوں کے اظلال و آثار ہوں گے ہم لوگ ایسی بہشت کے قائل نہیں کہ صرف جسمانی طور پر ایک زمین پر درخت لگائے گئے ہوں اور نہ ایسی دوزخ کے ہم قائل ہیں جس میں درحقیقت گندھک کے پتھر ہیں بلکہ اسلامی عقیدہ کیموافق بہشت دوزخ انہی اعمال کے انعکاسات ہیں جو دنیا میں انسان کرتا ہے

تیسرا سوال۔ دنیا میں زندگی کے مدعا کیا ہیں اور اُن کا حصول کس طرح ہوتا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مختلف الطبائع انسان اپنی کوتہ فہمی یا پست ہمتی سے مختلف طور کے مدعا اپنی زندگی کے لیے ٹھیراتے ہیں اور فقط دنیا کے مقاصد اور آرزووں تک چلکر آگے ٹھہر جاتے ہیں مگر وہ مدعا جو خدا تعالیٰ اپنے پاک کلام میں بیان فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی مینے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں اور میری پرستش کریں پس اس آیت کی رو سے اصل مدعا انسان کی زندگی کا خدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا کے لیے ہو جانا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو یہ تو مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اپنی زندگی کا مدعا اپنے اختیار سے آپ مقرر کرے کیونکہ انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے واپس جائے گا بلکہ وہ ایک مخلوق ہے اور جسنے پیدا کیا اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلیٰ قویٰ اسکو عنایت کیے اسی نے اسکی زندگی کا ایک مدعا ٹھہرا رکھا ہے خواہ کوئی انسان اس مدعا کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انسان کی پیدایش کا مدعا بلاشبہ خدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا میں فانی ہو جانا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرماتا ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ـ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ـ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا یعنی وہ دین جسمیں خدا کی معرفت صحیح اور اسکی پرستش احسن طور پر ہے وہ اسلام ہے اور اسلام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور خدا نے انسان کو اسلام پر پیدا کیا اور اسلام کیلیے پیدا کیا ہے یعنی یہ چاہا ہے کہ انسان اپنے تمام قویٰ کے ساتھ اسکی پرستش اور اطاعت اور محبت میں لگ جاوے اسی وجہ سے اس قادر کریم نے انسان کو تمام قویٰ اسلام کے مناسب حال عطا کیے ہیں ان آیتوں کی تفصیل بہت بڑی ہے اور ہم کسی قدر پہلے سوال کے تیسرے حصہ میں لکھ بھی چکے ہیں لیکن اب ہم مختصر طور پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کو جو کچھہ اندرونی اور بیرونی اعضا دیے گئے ہیں یا جو کچھہ قوتیں عنایت ہوئی ہیں اصل مقصود ان سے خدا کی معرفت اور خدا کی پرستش اور خدا کی محبت ہی ہے اسی وجہ سے انسان دنیا میں ہزاروں شغلوں کو اختیار کر کے پھر بھی بجز خدا کے اپنی سچی خوشحالی کسی میں نہیں پاتا ـ بڑا دولتمند ہو کر بڑا عہدہ پاکر بڑا تاجر بنکر بڑی بادشاہی تک پہونچکر بڑا فلاسفر کہلا کر آخر ان دنیوی گرفتاریوں سے بڑی حسرتوں کے ساتھ جاتا ہے اور ہمیشہ دل اسکا دنیا کے استغراق سے اسکو ملزم کرتا رہتا ہے اور اسکے مکروں اور فریبوں اور ناجائز کاموں میں کبھی اسکا کانشنس اس سے اتفاق نہیں کرتا ـ ایک دانا انسان اس مسئلہ کو اسطرح بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس چیز کے قویٰ ایک اعلیٰ سے اعلیٰ کام کر سکتے ہیں اور پھر آگے جاکر ٹھہر جاتے ہیں وہی اعلیٰ کام اسکی پیدایش کی علت غائی سمجھی جاتی ہے مثلاً بیل کا کام اعلیٰ سے اعلیٰ قلبہ رانی یا آبپاشی یا باربرداری ہے اس سے زیادہ اس کی قوتوں میں کچھہ ثابت نہیں ہوا سو بیل کی زندگی کا مدعا یہی تین چیزیں ہیں اس سے زیادہ کوئی قوت اسمیں پائی نہیں جاتی مگر جب ہم انسان کی قوتوں کو ٹٹولتے ہیں کہ ان میں اعلیٰ

سے اعلیٰ کونسی قوت ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدائے اعلیٰ و برتر کی اسمیں تلاش پائی جاتی ہے یہانتک کہ وہ چاہتا ہے کہ خدا کی محبت میں ایسا گداز اور محو ہو کہ اس کا .... اپنا کچھ بھی نہ رہے سب خدا کا ہو جائے وہ کھانے اور سونے وغیرہ طبعی امور میں دوسرے حیوانات کو اپنا شریک غالب رکھتا ہے۔ صنعتکاری میں بعض حیوانات اس سے بہت بڑھے ہوئے ہیں بلکہ شہد کی مکھیاں بھی ہر ایک پھول کا عطر نکالکر ایسا شہد نفیس پیدا کرتی ہیں کہ ابتک اس صنعت میں انسان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ پس ظاہر ہے کہ انسان کا اعلیٰ کمال خدا تعالےٰ کا وصال ہے لہذا اسکی زندگی کا اصل مدعا یہی ہے کہ خدا کی طرف اسکے دل کی کھڑکی کھلے۔ ہاں اگر یہ سوال ہو کہ یہ مدعا کیونکر اور کسطرح حاصل ہو سکتا ہے اور کن وسائل سے انسان اسکو پا سکتا ہے پس واضح ہو کہ سب سے بڑا وسیلہ جو اس مدعا کے پانیکے لیے شرط ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو صحیح طور پر پہچانا جائے اور سچے خدا پر ایمان لایا جائے کیونکہ اگر پہلا قدم ہی غلط ہے اور کوئی شخص مثلاً پرند یا چرند یا عناصر یا انسان کے بچہ کو خدا سمجھ بیٹھا ہے تو پھر دوسرے قدموں میں اسکے راہ راست پر چلنے کی کیا امید ہے سچا خدا اسکے ڈھونڈنے والونکو مدد دیتا ہے مگر مُردہ مردہ کو کیونکر مدد دے سکتا ہے اسمیں اللہ جل شانہ نے خوب تمثیل فرمائی ہے اور وہ یہ ہے لہ دعوة الحق والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم بشیءٍ الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہ وما دعاء الکٰفرین الا فی ضلال یعنی دعا کرنیکے لائق وہی سچا خدا ہے جو ہر ایکبات پر قادر ہے اور جو لوگ اُسکے سوا اوروں کو پکارتے ہیں وہ کچھ بھی انکو جواب نہیں دیسکتے ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی پانی کیطرف ہاتھ پھیلاوے کہ اے پانی میرے مُنہ میں آجا تو کیا وہ اسکے مُنہ میں آجاوے گا ہرگز نہیں۔ سو جو لوگ سچے خدا سے بیخبر ہیں انکی تمام دعائیں باطل ہیں۔ دوسرا وسیلہ خدا تعالیٰ کے اُس حسن و جمال پر اطلاع پانا ہے جو باعتبار کمال تام کے اسمیں پایا جاتا ہے کیونکہ حُسن ایک ایسی چیز ہے جو بالطبع دل اُسکی طرف کھینچا جاتا ہے اور اُسکے مشاہدہ سے طبعاً محبت پیدا ہوتی ہے تو حسن باریتعالیٰ اُس کی وحدانیت اور اُسکی عظمت اور بزرگی اور صفات ہیں جیسا کہ قرآن شریف نے یہ فرمایا ہے قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد یعنی خدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے کوئی اُسکا شریک نہیں سب اسکے حاجتمند ہیں ذرہ ذرہ اُس سے زندگی پاتا ہے وہ کُل چیزوں کے لیے مبدءِ فیض ہے اور آپ کسی سے فیضیاب نہیں وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ اور کیونکر ہو کہ اُسکا کوئی ہم ذات نہیں قرآن نے بار بار خدا کا کمال پیش کر کے اور اُسکی عظمتیں دکھلا کے لوگونکو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو ایسا خدا دلونکا مرغوب ہے نہ کہ مردہ اور کمزور اور کم رحم اور کم قدرت تیسرا وسیلہ جو مقصود حقیقی تک پہنچنے کے لیے دوسرے درجہ کا زینہ ہے خدا تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانا ہے کیونکہ محبت کی محرک دو ہی چیزیں ہیں حُسن یا احسان اور خدا تعالیٰ کی احسانی صفات کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں پایا جاتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم مٰلک یوم الدین کیونکہ ظاہر

ہے کہ احسان کامل یہی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو محض نابود سے پیدا کرے اور پھر ہمیشہ اُسکی ربوبیت انکے شامل حال ہو اور وہی ہر ایک چیز کا آپ سہارا ہو اور پھر اُسکی تمام قسم کی رحمتیں اُسکے بندوں کیلیئے ظہور میں آئی ہوں اور اُسکا احسان بے انتہا ہو جسکا کوئی شمار نہ کر سکے سو ایسے احسانوں کو خدا تعالیٰ نے بار بار جتلایا ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرماتا ہے وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها یعنی اگر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہ سکوگے۔ چوتھا وسیلہ خدا تعالیٰ نے اصل مقصود کے پانیکے لیے دعا کو ٹھہرایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے ادعونی استجب لکم یعنی تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ اور بار بار دعا کے لیے رغبت دلائی ہے تا انسان اپنی طاقت سے نہیں بلکہ خدا کی طاقت سے پاوے۔ پانچواں وسیلہ اصل مقصود کے پانیکے لیے خدا تعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے یعنی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنیکے ذریعہ سے اور اپنی طاقتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنیکے ذریعہ سے اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں خرچ کرنیکے ذریعہ سے اور اپنی عقل کو خدا کی راہ میں خرچ کرنیکے ذریعہ سے اسکو ڈھونڈا جاوے جیسا کہ وہ فرماتا ہے جاھدوا باموالکم وانفسکم ومما رزقناھم ینفقون۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنے اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو معہ انکی طاقتوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے عقل اور علم اور فہم اور ہنر وغیرہ تمکو دیا ہے وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لگاؤ۔ جو لوگ ہماری راہ میں ہر ایک طور سے کوشش بجا لاتے ہیں ہم انکو اپنی راہیں دکھا دیا کرتے ہیں۔ چھٹا وسیلہ اصل مقصود کے پانیکے لیے استقامت کو بیان فرمایا گیا ہے یعنی اس راہ میں درماندہ اور عاجز نہ ہو اور تھک نہ جاوے اور امتحان سے ڈر نہ جاوے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکة ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون نحن اولیاؤکم فی الحیٰوة الدنیا وفی الاخرة یعنی وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور باطل خداؤں سے الگ ہوگئے پھر استقامت اختیار کی یعنی طرح طرح کی آزمائشوں اور بلا کے وقت ثابت قدم رہے انپر فرشتے اُترتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو اور خوش ہو اور خوشی میں بھر جاؤ کہ تم اس خوشی کے وارث ہوگئے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے ہم اس دنیوی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں اسجگہ ان کلمات سے یہ اشارہ فرمایا کہ استقامت سے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے یہ سچ بات ہے کہ استقامت فوق الکرامت ہے۔ کمال استقامت یہ ہے کہ چاروں طرف بلاؤں کو محیط دیکھیں اور خدا کی راہ میں جان اور عزت اور آبرو کو معرض خطر میں پاویں اور کوئی تسلی دینے والی بات موجود نہ ہو یہانتک کہ خدا تعالیٰ بھی امتحان کے طور پر تسلی دینے والے کشف یا خواب یا الہام کو بند کر دے اور ہولناک خوفوں میں چھوڑ دے اُسوقت نامردی نہ دکھلاویں اور بزدلوں کیطرح پیچھے نہ ہٹیں اور وفاداری کی صفت میں کوئی خلل پیدا نہ کریں۔ صدق اور ثبات میں کوئی رخنہ نہ ڈالیں۔ ذلت پر خوش

ہوجائیں موت پر راضی ہوجائیں اور ثابت قدمی کے لیے کسی دوست کا انتظار نہ کریں کہ وہ سہارا دے
نہ اُسوقت خدا کی بشارتوں کے طالب ہوں کہ وقت نازک ہے اور باوجود سراسر بیکسی اور کمزور ہونیکے
اور کسی تسلی کے نہ پانیکے سیدھے کھڑے ہوجائیں اور ہر چہ بادا باد کہکر گردن کو آگے رکھدیں اور قضا و قدر
کے آگے دم نہ ماریں اور ہرگز بیقراری اور جزع فزع نہ دکھلاویں جبتک کہ آزمایش کا حق پورا ہوجائے
یہی استقامت ہے جس سے خدا ملتا ہے یہی وہ چیز ہے جس کی رسولوں اور نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں
کی خاک سے ابتک خوشبو آرہی ہے اسی کیطرف اللہ جل شانہ اس دعا میں اشارہ فرماتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنی اے ہمارے خدا ہمیں استقامت کی راہ دکھلا وہی راہ
جسپر تیرا انعام واکرام مترتب ہوتا ہے اور تو راضی ہوجاتا ہے اور اسی کیطرف اس دوسری آیت میں اشارہ
فرمایا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ۔ اے خدا اس مصیبت میں ہمارے دل پر وہ سکینت
نازل کر جس سے صبر آجائے اور ایسا کر کہ ہماری موت اسلام پر ہو۔ جاننا چاہیے کہ دکھوں اور مصیبتوں کے
وقت میں خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے دل پر ایک نور اُتارتا ہے جس سے وہ قوت پاکر نہایت اطمینان سے
مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور حلاوت ایمانی سے ان زنجیروں کو بوسہ دیتے ہیں جو اسکی راہ میں ان کے
پیروں میں پڑیں۔ جب باخدا آدمی پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور موت کے آثار ظاہر ہوجاتے ہیں تو وہ اپنے
رب کریم سے خواہ نخواہ کا جھگڑا شروع نہیں کرتا کہ مجھے ان بلاؤں سے بچا کیونکہ اسوقت عافیت کی دعا میں
اصرار کرنا خدا تعالیٰ سے لڑائی اور موافقت تامہ کے مخالف ہے بلکہ سچا محب بلا کے اُترنے سے اور آگے قدم
رکھتا ہے اور ایسے وقت میں جان کو ناچیز سمجھکر اور جان کی محبت کو الوداع کہہ کر اپنے مولیٰ کی مرضی کا بکلی تابع
ہوجاتا ہے اور اسکی رضا چاہتا ہے اسی کے حق میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ یعنی خدا کا پیارا بندہ اپنی جان خدا کی راہ میں دیتا ہے
اور اسکے عوض میں خدا کی مرضی خرید لیتا ہے وہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت خاص کے مورد ہیں۔ غرض وہ استقامت
جس سے خدا ملتا ہے اسکی یہی روح ہے جو بیان کیگئی جسکو سمجھنا ہو سمجھے۔ ساتواں وسیلہ اصل مقصود کے
پانیکے لیے راستبازوں کی صحبت اور اُن کے کامل نمونوں کو دیکھنا ہے۔ پس جاننا چاہیے کہ انبیا کی ضرورتوں میں سے
ایک یہ بھی ضرورت ہے کہ انسان طبعًا کامل نمونہ کا محتاج ہے اور کامل نمونہ شوق کو زیادہ کرتا ہے اور ہمت کو
بڑھاتا ہے اور جو نمونہ کا پیرو نہیں وہ سست ہوجاتا ہے اور بہک جاتا ہے اسی کیطرف اللہ جل شانہ اس آیت میں
اشارہ فرماتا ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ یعنی تم ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو
جو راستباز ہیں۔ ان لوگوں کی راہیں سیکھو جنپر تم سے پہلے فضل ہو چکا ہے۔ آٹھواں وسیلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے
پاک کشف اور پاک الہام اور پاک خوابیں ہیں چونکہ خدا تعالیٰ کیطرف سفر کرنا ایک نہایت دقیق در دقیق
راہ ہے اور اسکے ساتھ طرح طرح کے مصائب اور دُکھ لگے ہوئے ہیں اور ممکن ہے کہ انسان اس نا دیدہ راہ میں

بھول جاوے یا نا امیدی طاری ہو اور آگے قدم بڑھانا چھوڑ دے اسلیے خدا تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ اپنی طرف سے اس سفر میں ساتھ ساتھ اسکو تسلی دیتی رہے اور اسکی دلدہی کرتی رہے اور اسکی کمر ہمت باندھتی رہے اور اس کے شوق کو زیادہ کرے۔ سو اُسکی سُنت اس راہ کے مسافروں کے ساتھ اسطرح پر واقعہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کلام اور الہام سے اُنکو تسلی دیتا اور اُنپر ظاہر کرتا ہے کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تب وہ قوت پاکر بڑے زور سے اس سفر کو طے کرتے ہیں چنانچہ اسبارہمیں وہ فرماتا ہے لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الاٰخرۃ ایسی طرح اور بھی کئی وسائل ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائے ہیں مگر افسوس اندیشہ طول کی وجہ سے ان کو بیان نہیں کر سکتے ۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ
زندگی میں اور زندگی کے بعد عملی شریعت کا فعل کیا ہے ؟

اس سوال کا جواب وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خدا کی سچی اور کامل شریعت کا فعل جو اسکی زندگی میں انسان کے دل پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اسکو وحشیانہ حالت سے انسان بناوے اور پھر انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور پھر با اخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے اور نیز اس زندگی میں عملی شریعت کا ایک فعل یہ ہے کہ شریعت حقہ پر قائم ہو جانے سے ایسے شخص کا بنی نوع پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ درجہ بدرجہ ان کے حقوق کو پہچانتا ہے اور عدل اور احسان اور ہمدردی کی قوتوں کو اپنے اپنے محل پر استعمال کرتا ہے اور جو کچھ خدا نے اسکو علم اور معرفت اور مال اور آسایش میں سے حصہ دیا ہے سب لوگونکو حسب مراتب ان نعمتوں میں شریک کر دیتا ہے وہ تمام بنی نوع پر سورج کیطرح اپنی روشنی ڈالتا ہے اور چاند کی طرح حضرت اعلیٰ سے نور پاکر وہ نور دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ وہ دن کیطرح روشن ہو کر نیکی اور بھلائی کی راہیں لوگونکو دکھاتا ہے وہ رات کیطرح ہر ایک ضعیف کی پردہ پوشی کرتا ہے اور تھکوں اور ماندوں کو آرام پہونچاتا ہے وہ آسمان کی طرح ہر ایک حاجتمند کو اپنے سایہ کے نیچے جگہ دیتا ہے اور وقتوں پر اپنے فیض کی بارشیں برساتا ہے وہ زمین کیطرح کمال انکسار سے ہر ایک آدمی کی آزمایش کے لیے بطور فرش کے ہو جاتا اور سبکو اپنی کنار عاطفت میں لے لیتا اور طرح طرح کے روحانی میوے اُن کے لیے پیش کرتا ہے سو یہی کامل شریعت کا اثر ہے کہ کامل شریعت پر قائم ہونے والا حق اللہ اور حق العباد کو کمال کے نقطہ تک پہونچا دیتا ہے خدا میں وہ محو ہو جاتا ہے اور مخلوق کا سچا خادم بنجاتا ہے۔ یہ تو عملی شریعت کا اس زندگی میں اثیر ہے مگر زندگی کے بعد جو اثر ہے وہ یہ ہے کہ خدا کا روحانی اتصال اُسپر ورنکھلے کھلے دیدار کے طور پر اسکو نظر آئے گا اور خلق اللہ کی خدمت جو اسنے خدا کی محبت میں ہو کر کی جس کا محرک ایمان اور اعمال صالحہ کی خواہش تھی وہ بہشت کے درختوں اور نہروں کیطرح متمثل ہو کر دکھائی دیگی اسمیں خدا تعالیٰ کا فرمان یہ ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا۔ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا۔ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا۔ اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا۔ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا یعنی قسم ہے سورج کی اور اُسکی روشنی کی اور قسم ہے چاند کی جب پیروی کرے سورج کی یعنی سورج سے نور حاصل کرے اور پھر سورج کی طرح اس نور کو دوسروں تک پہونچادے اور قسم ہے دن کی جب سورج کی صفائی دکھاوے اور راہوں کو نمایاں کرے اور قسم ہے رات کی جب اندھیرا کرے اور اپنے پردہ تاریکی میں سبکو لے لے اور قسم ہے آسمان کی اور اس علت غائی کی جو آسمان کی اس بناکا موجب ہوئی اور قسم ہے زمین کی اور اُس علت غائی کی جو زمین کے اس قسم کے فرش کا موجب ہوئی اور قسم ہے نفس کی اور نفس کے اُس کمال کی جس نے ان سب چیزوں کے اسکو برابر کر دیا یعنی وہ کمالات جو متفرق طور پر ان چیزوں میں پائے جاتے ہیں کامل انسان کا نفس ان سبکو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اور جیسے یہ تمام چیزیں علٰحدہ علٰحدہ نوع انسان کی خدمت کر رہی ہیں کامل انسان ان تمام خدمات کو اکیلا بجا لاتا ہے جیسا کہ میں ابھی لکھ چکا ہوں اور پھر فرماتا ہے کہ وہ شخص نجات پاگیا اور موت سے بچ گیا جس نے اسطرح پر نفس کو پاک کیا یعنی سورج اور چاند اور زمین وغیرہ کیطرح خدا میں محو ہوکر خلق اللہ کا خادم بنا۔ یاد رہے کہ حیات سے مراد حیات جاودانی ہے جو آیندہ کامل انسان کو حاصل ہوگی یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ عملی شریعت کا پھل آیندہ زندگی میں حیات جاودانی ہے جو خدا کے دیدار کی غذا سے ہمیشہ قائم رہے گی اور پھر فرمایا کہ وہ شخص ہلاک ہوگیا اور زندگی سے ناامید ہوگیا جس نے اپنے نفس کو خاک میں ملا دیا۔ اور جن کمالات کی اسکو استعدادیں دیگئی تھیں اُن کمالات کو حاصل نہ کیا اور گندی زندگی بسر کرکے واپس گیا اور پھر مثال کے طور پر فرمایا کہ ثمود کا قصہ اُس بدبخت کے قصہ سے مشابہ ہے انھوں نے اُس اونٹنی کو زخمی کیا جو خدا کی اونٹنی کہلاتی تھی اور اپنے چشمہ سے پانی پینے سے اُسکو روکا۔ سو اُس شخص نے درحقیقت خدا کی اونٹنی کو زخمی کیا اور اُسکو اُس چشمہ سے محروم رکھا۔ یہ اسبات کیطرف اشارہ ہے کہ انسان کا نفس خدا کی اونٹنی ہے جسپر وہ سوار ہوتا ہے یعنی انسان کا دل الٰہی تجلیات کی جگہ ہے اور اس اونٹنی کا پانی خدا کی محبت اور معرفت ہے جس سے وہ جیتی ہے اور پھر فرمایا کہ ثمود نے جب اونٹنی کو زخمی کیا اور اُسکو اُس کے پانی سے روکا تو اُن پر عذاب نازل ہوا۔ اور خدا تعالیٰ نے اسبات کی کچھ بھی پروا نہ کی کہ ان کے مرنیکے بعد ان کے بچوں اور بیواوں کا کیا حال ہوگا۔ سو ایسا ہی جو شخص اس اونٹنی یعنی نفس کو زخمی کرتا ہے

(قرآن شریف میں جو مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں انکی فلاسفی)

اور اسکو کمال تک پہونچانا نہیں چاہتا۔ اور پانی پینے سے روکتا ہے وہ بھی ہلاک ہوگا۔ اسجگہ یہ بھی یادرہے کہ خدا کا سورج اور چاند وغیرہ کی قسم کھانا ایک نہایت دقیق حکمت پر مشتمل ہے جس سے ہمارے اکثر مخالف ناواقف ہونیکی وجہ سے اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ خدا کو قسمونکی کیا ضرورۃ پڑی اور اُس نے مخلوق کی کیوں قسمیں کھائیں لیکن چونکہ اُن کی سمجھ زمینی ہے نہ آسمانی اسلیے وہ معارف حقہ کو سمجھ نہیں سکتے۔ سو واضح ہو کہ قسم کھانے سے اصل مدعا یہ ہوتا ہے کہ قسم کھانے والا اپنے دعوے کے لیے ایک گواہی پیش کرنا چاہتا ہے کیونکہ جس کے دعوے پر اور کوئی گواہ نہیں ہوتا وہ بجای گواہ کے خدا تعالے کی قسم کھاتا ہے۔ اس لیے کہ خدا عالم الغیب ہی اور ہر ایک مقصد میں وہ پہلا گواہ ہے گویا وہ خدا کی گواہی اسطرح پیش کرتا ہے کہ اگر خدا تعالے اس قسم کے بعد خاموش رہا اور اُسپر عذاب نازل نہ کیا تو گویا اُس نے اس شخص کے بیان پر گواہوں کیطرح مہر لگادی اسلیے مخلوق کو نہیں چاہیے کہ دوسری مخلوق کی قسم کھاوے کیونکہ مخلوق عالم الغیب نہیں اور نہ جھوٹی قسم پر سزا دینے پر قادر ہے مگر خدا کی قسم ان آیات میں ان معنوں سے نہیں جیسا کہ مخلوق کی قسم میں مراد لیجاتی ہے بلکہ اس میں یہ سنۃ اللہ ہے کہ خدا کے دو قسم کے کام ہیں ایک بدیہی جو سبکی سمجھ میں آ سکتے ہیں اور اُن میں کسی کو اختلاف نہیں اور دوسرے وہ کام جو نظری ہیں جنمیں دنیا غلطیاں کھاتی ہے اور باہم اختلاف رکھتی ہے سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ بدیہی کاموں کی شہادۃ سے نظری کاموں کو لوگوں کی نظر میں ثابت کرے ۔

پس یہ تو ظاہر ہے کہ سورج اور چاند اور دن اور رات اور آسمان اور زمین میں وہ خواص درحقیقت پائے جاتے ہیں جنکو ہم ذکر کرچکے ہیں مگر جو اس قسم کے خواص انسان کے نفس ناطقہ میں موجود ہیں ان سے ہر ایک شخص آگاہ نہیں۔ سو خدا نے اپنے بدیہی کاموں کو نظری کاموں کے کھولنے کے لیے بطور گواہ کے پیش کیا ہے گویا وہ فرماتا ہے کہ اگر تم ان خواص سے شک میں ہو جو نفس ناطقہ انسانی میں پائے جاتے ہیں تو چاند اور سورج وغیرہ میں غور کرو کہ ان میں بدیہی طور پر یہ خواص موجود ہیں اور تم جانتے ہو کہ انسان ایک عالم صغیر ہے جس کے نفس میں تمام عالم کا نقشہ اجمالی طور پر مرکوز ہے۔ پھر جبکہ یہ ثابت ہے کہ عالم کبیر کے بڑے بڑے اجرام یہ خواص اپنے اندر رکھتے ہیں اور اسی طرح پر مخلوقات کو فیض پہونچا رہے ہیں تو انسان جو ان سب سے بڑا کہلاتا ہے اور بڑے درجہ کا پیدا کیا گیا ہے وہ کیونکر ان خواص سے خالی اور بے نصیب ہوگا نہیں بلکہ اسمیں بھی سورج کی طرح ایک علمی اور عقلی روشنی ہے جس کے ذریعہ سے وہ تمام دنیا کو منور کرسکتا ہے اور چاند کی طرح وہ حضرت اعلیٰ سے کشف اور الہام اور وحی کا نور پاتا ہے اور دوسروں تک جنھوں نے انسانی کمال ابھی تک حاصل نہیں کیا اس نور کو پہونچاتا ہے پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ نبوۃ باطل ہے اور تمام رسالتیں اور شریعتیں اور کتابیں انسان کی مکاری اور خود غرضی ہے یہ بھی دیکھتے ہو کہ کیونکر دن کے روشن ہونے سے تمام راہیں روشن ہوجاتی ہیں

تمام نشیب وفراز نظر آجاتے ہیں سو کامل انسان روحانی روشنی کا دن ہے اسکے چڑھنے سے ہرایک راہ نمایاں ہو جاتی ہے وہ سچی راہ کو دکھلا دیتا ہے کہ کہاں اور کدھر ہے کیونکہ راستی اور سچائی کا وہی روز روشن ہے ایسا ہی یہ بھی مشاہدہ کر رہے ہو کہ رات کیسی تھکوں ماندوں کو جگہ دیتی ہے تمام دن کے شکستہ کوفتہ مزدور رات کے کنار عاطفت میں بخوشی سوتے ہیں اور محنتوں سے آرام پاتے ہیں اور رات ہر ایک کے لیے پردہ پوش بھی ہے ایسا ہی خدا کے کامل بندے دنیا کو آرام دینے کے لیے آتے ہیں۔ خدا سے وحی اور الہام پانے والے تمام عقلمندوں کو جانکاہی سے آرام دیتے ہیں ان کے طفیل سے بڑے بڑے معارف آسانی کے ساتھ حل ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی خدا کی وحی انسانی عقل کی پردہ پوشی کرتی ہے جیسا کہ رات پردہ پوشی کرتی ہے اس کی ناپاک خطاؤں کو دنیا پر ظاہر ہونے نہیں دیتی کیونکہ عقلمند وحی کی روشنی کو پاکر اندر ہی اندر اپنی غلطیوں کی اصلاح کر لیتے ہیں اور خدا کے پاک الہام کی برکت سے اپنے تئیں پردہ دری سے بچا لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ افلاطون کی طرح اسلام کے کسی فلاسفر نے کسی بُت پر مرغ کی قربانی نہ چڑھائی۔ چونکہ افلاطون اسلام کی روشنی سے بے نصیب تھا اسلیے دھوکا کھا گیا اور ایسا فلاسفر کہلا کر یہ مکروہ اور احمقانہ حرکت اس سے صادر ہوئی مگر اسلام کے حکما کو ایسے ناپاک اور احمقانہ حرکتوں سے ہمارے سید و مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نے بچا لیا۔ اب دیکھو کیسا ثابت ہوا کہ الہام عقلمندوں کا رات کیطرح پردہ پوش ہے۔ یہ بھی آپ لوگ جانتے ہیں کہ خدا کے کامل بندے آسمان کیطرح ہر ایک درماندہ کو اپنے سایہ میں لے لیتے ہیں۔ خاصکر اس ذات پاک کے انبیا اور الہام پانیوالے عام طور پر آسمان کی طرح فیض کی بارشیں برساتے ہیں ایسا ہی زمین کی خاصیت بھی اپنے اندر رکھتے ہیں ان کے نفس نفیس سے طرح طرح کے علوم عالیہ کے درخت نکلتے ہیں جن کے سایہ اور پھل اور پھول سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں سو یہ کھلا کھلا قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے ہے اسی چھپے ہوئے قانون کا ایک گواہ ہے جس کی گواہی کو قسموں کے پیرایہ میں خدا تعالیٰ نے ان آیات میں پیش کیا ہے سو دیکھو کہ یہ کسقدر پر حکمت کلام ہے جو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ یہ اسکے مُنہ سے نکلا ہے جو ایک اُمّی اور بیابان کے رہنے والا تھا۔ اگر یہ خدا کا کلام نہ ہوتا تو اسطرح عام عقلیں اور وہ تمام جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں اس کے اس دقیق نکتہ معرفت سے عاجز آکر اعتراض کی صورت میں اس کو نہ دیکھتے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جب ایک بات کو کسی پہلو سے بھی اپنی مختصر عقل کے ساتھ نہیں سمجھ سکتا تب ایک حکمت کی بات کو جائے اعتراض ٹھہرا لیتا ہے اور اس کا اعتراض اس بات کا گواہ ہو جاتا ہے کہ وہ دقیقہ حکمت عام عقلوں سے برتر و اعلیٰ تھا تب ہی تو عقلمندوں نے عقلمند کہلا کر پھر بھی اسپر اعتراض کر دیا مگر اب جو یہ راز کھل گیا تو اب اس کے بعد کوئی عقلمند اسپر اعتراض نہیں کرے گا بلکہ

اس سے لذت اُٹھائے گا۔ یاد رہے کہ قرآن شریف نے وحی اور الہام کی سنت قدیمہ پر قانون قدرت سے گواہی لانے کے لیے ایک اور مقام میں بھی اسی قسم کی قسم کھائی ہے اور وہ یہ ہے وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ یعنی اس آسمان کی قسم ہے جس کی طرف سے بارش آتی ہے اور اس زمین کی قسم ہے جو بارش سے طرح طرح کی سبزیاں نکالتی ہے کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے اور اُس کی وحی ہے اور وہ باطل اور حق میں فیصلہ کرنیوالا ہے اور عبث اور بیہودہ نہیں یعنی بے وقت نہیں آیا موسم کے مینہ کی طرح آیا ہے۔ اب خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کے ثبوت کے لیے جو اُس کی وحی ہے ایک کھلے کھلے قانون قدرت کو قسم کے رنگ میں پیش کیا یعنی قانون قدرت میں ہمیشہ یہ بات مشہود اور مرئی ہے کہ ضرورتوں کے وقت آسمان سے بارش ہوتی ہے اور تمام مدار زمین کی سرسبزی کا آسمان کی بارش پر ہے اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو رفتہ رفتہ کنوئیں بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ پس در اصل زمین کے پانی کا وجود بھی آسمان کی بارش پر موقوف ہے اسی وجہ سے جب کبھی آسمان سے پانی برستا ہے تو زمین کے کنوؤں کا پانی چڑھ آتا ہے کیوں چڑھ آتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ آسمانی پانی زمین کے پانی کو اوپر کیطرف کھینچتا ہے۔ یہی رشتہ وحی اللہ اور عقل میں ہے۔ وحی اللہ یعنی الہام الٰہی آسمانی پانی ہے اور عقل زمینی پانی ہے اور یہ پانی ہمیشہ آسمانی پانی سے جو الہام ہے تربیت پاتا ہے۔ اور اگر آسمانی پانی یعنی وحی ہونا بند ہو جائے تو یہ زمینی پانی بھی رفتہ رفتہ خشک ہو جاتا ہے کیا اس کے واسطے یہ دلیل کافی نہیں کہ جب ایک زمانہ دراز گذر جاتا ہے اور کوئی الہام یافتہ زمین پر پیدا نہیں ہوتا تو عقلمندوں کی عقلیں نہایت گندی اور خراب ہو جاتی ہیں جیسے زمینی پانی خشک ہو جاتا ہے سڑ جاتا ہے ۔

اسکے سمجھنے کے لیے اس زمانہ پر ایک نظر ڈالنا کافی ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اپنا رنگ تمام دنیا میں دکھلا رہا تھا۔ چونکہ اُسوقت حضرت مسیح کے زمانہ کو چھ سو برس گذر گئے تھے اور اس عرصہ میں کوئی الہام یافتہ پیدا نہیں ہوا تھا اس لیے تمام دنیا نے اپنی حالت کو خراب کر دیا تھا ہر ایک ملک کی تاریخیں پکار پکار کر کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مگر آپ کے ظہور سے پہلے تمام دنیا میں خیالات فاسدہ پھیل گئے تھے ایسا کیوں ہوا تھا اور اسکا کیا سبب تھا یہی تو تھا کہ الہام کا سلسلہ مدتوں تک بند ہو گیا تھا۔ آسمانی سلطنت صرف عقل کے ہاتھ میں تھی پس اس ناقص عقل نے کن کن خرابیوں میں لوگوں کو ڈالا کیا اس سے کوئی ناواقف بھی ہے دیکھو الہام کا پانی جب مدت تک نہ برسا تو عقلوں کا پانی کیسا خشک ہو گیا۔ سواس قسم میں یہی قانون قدرت اللہ تعالیٰ پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم غور کر کے دیکھو کیا خدا کا یہ حکم اور دائمی قانون قدرت نہیں کہ زمین کی تمام سرسبزی کا مدار آسمان کا پانی ہے سو اس

پوشیدہ قانون قدرت کے لیے جو الہام الٰہی کا سلسلہ ہے یہ کھلا کھلا قانون قدرت بطور گواہ کے ہے سو اس گواہ سے فائدہ اٹھاؤ اور صرف عقل کو اپنا رہبر مت بناؤ کہ وہ ایسا پانی نہیں جو آسمانی پانی کے سوا موجود رہ سکے جس طرح آسمانی پانی کا یہ خاصہ ہے کہ خواہ کسی کنوئیں میں اسکا پانی پڑے یا نہ پڑے وہ اپنی طبعی خاصیت سے تمام کنوؤں کے پانی کو اوپر چڑھا دیتا ہے ایسا ہی جب خدا کا ایک الہام یافتہ دنیا میں ظہور فرماتا ہے خواہ کوئی عقلمند اس کی پیروی کرے یا نہ کرے مگر اس الہام یافتہ کے زمانہ میں خود عقلوں میں ایسی روشنی اور صفائی آجاتی ہے کہ پہلے اس سے موجود نہ تھی۔ لوگ خواہ نخواہ حق کی تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور غیب سے ایک حرکت ان کی قوت متفکرہ میں پیدا ہو جاتی ہے سو یہ تمام عقلی ترقی اور دلی جوش اس الہام یافتہ کے قدم مبارک سے پیدا ہو جاتا ہے اور بالخاصیت زمین کے پانیوں کو اوپر اٹھاتا ہے۔ جب تم دیکھو کہ مذاہب کی جستجو میں ہر ایک شخص کھڑا ہو گیا ہے اور زمینی پانی کو کچھ ابال آیا ہے تو اٹھو اور خبردار ہو جاؤ اور یقیناً سمجھو کہ آسمان سے زور کا مینہ برسا ہے اور کسی دل پر الہامی بارش ہو گئی ہے +

پانچواں سوال یہ ہے کہ علم اور معرفت الٰہی کے ذریعے کیا کیا ہیں

اس سوال کے جواب میں واضح ہو کہ اس بارے میں جس قدر قرآن شریف نے مبسوط طور پر ذکر فرمایا ہے ہم کہ اُن ذکر کرنے کی تو اسجگہ کسی طرح گنجایش نہیں لیکن بطور نمونہ کسی قدر بیان کیا جاتا ہے سو جاننا چاہیے کہ قرآن شریف نے علم تین قسم پر قرار دیا ہے۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین جیسا کہ ہم پہلے اس سے سورہ الہٰکم التکاثر کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں اور بیان کر چکے ہیں کہ علم الیقین وہ ہے کہ شے مقصود کا کسی واسطہ کے ذریعہ سے نہ بلا واسطہ پتا لگایا جائے جیسا کہ ہم دھوئیں سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں ہمنے آگ کو دیکھا نہیں مگر دھوئیں کو دیکھا ہے کہ جس سے ہمیں آگ کے وجود پر یقین آیا سو یہ علم الیقین ہے اور اگر ہمنے آگ کو ہی دیکھ لیا ہے تو یہ بموجب بیان قرآن شریف یعنی سورہ الہٰکم التکاثر کے علم کے مراتب میں سے عین الیقین کے نام سے موسوم ہے اور اگر ہم اس آگ میں داخل بھی ہو گئے ہیں تو اس علم کے مرتبہ کا نام قرآن شریف کے بیان کے رو سے حق الیقین ہے سورۂ الہٰکم التکاثر کے اب دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ناظرین اُس موقع سے اس تفسیر کو دیکھ لیں اب جاننا چاہیے کہ پہلی قسم کا جو علم ہے یعنی علم الیقین اس کا ذریعہ عقل اور منقولات ہیں اللہ تعالیٰ دوزخیوں سے حکایت کر کے فرماتا ہے قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ یعنی دوزخی کہیں گے کہ اگر ہم عقلمند ہوتے مذہب کو خواہ نخواہ اور عقلی معقول طریقوں سے آزماتے یا کامل عقلمندوں اور محققوں کی تحریروں اور تقریروں کو توجہ سے سنتے تو آج دوزخ میں نہ پڑتے یہ آیت اس دوسری آیۃ کے موافق ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

وُسْعَهَا یعنی خدا تعالیٰ انسانی نفوس کو ان کی وسعت علمی سے زیادہ کسی بات کو قبول کرنے کے لیے تکلیف نہیں دیتا اور وہی عقیدے پیش کرتا ہے جنکا سمجھنا انسان کے حد استعداد میں داخل ہے تا اُس کے حکم تکلیف مالا یطاق میں داخل نہ ہوں اور ان آیات میں اسبات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کانوں کے ذریعہ سے بھی علم الیقین حاصل کرسکتا ہے مثلاً ہم نے لندن تو نہیں دیکھا صرف دیکھنے والوں سے اس شہر کا وجود سُنا ہے مگر کیا ہم شک کرسکتے ہیں کہ شاید ان سب میں جھوٹ بولدیا ہوگا مثلاً ہم نے عالمگیر بادشاہ کا زمانہ نہیں پایا اور نہ عالمگیر کی شکل دیکھی ہے مگر کیا ہمیں اسبات میں کچھ بھی شبہ ہے کہ عالمگیر چغتائی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا پس ایسا یقین کیوں حاصل ہوا اسکا جواب یہی ہے کہ صرف سماع کے تواتر سے پس اسمیں کچھ شک نہیں کہ سماع بھی علم الیقین کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے نبیوں کی کتابیں اگر سلسلہ سماع میں کچھ خلل نہ رکھتی ہوں وہ بھی ایک سماعی علم کا ذریعہ ہیں لیکن اگر ایک کتاب آسمانی کتاب کہلاکر پھر مثلاً پچاس ساٹھ نسخے اُسکے پائے جائیں اور بعض بعض کے مخالف ہوں تو گو کسی فریق نے یقین بھی کرلیا ہو کہ انمیں سے صرف دو چار صحیح ہیں اور باقی وضعی اور جعلی لیکن محقق کے لیے ایسا یقین جو کسی کامل تحقیقات پر مبنی نہیں بیہودہ ہوگا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سب کتابیں اپنے تناقض کیوجہ سے ردی اور ناقابل اعتبار قرار دیجائینگی اور ہرگز جائز نہیں ہوگا کہ ایسے متناقض بیانات کو کسی علم کا ذریعہ ٹھہرایا جاوے کیونکہ علم کی یہ تعریف ہے کہ ایک یقینی معرفت عطا کرے اور مجموعہ متناقضات میں یقینی معرفت کا پایا جانا ممکن نہیں اسجگہ یاد رہے کہ قرآن شریف صرف سماع کی حد تک محدود نہیں ہے کیونکہ اسمیں انسانوں کے سمجھانیکے لیے بڑے بڑے معقول دلائل ہیں اور جسقدر عقائد اور اصول اور احکام اُس نے پیش کیے ہیں انمیں سے کوئی بھی ایسا امر نہیں جسمیں زبردستی اور تحکم ہو جیسا کہ اُس نے خود فرمایا ہے کہ یہ سب عقائد وغیرہ انسان کی فطرۃ میں پہلے سے منقوش ہیں اور قرآن شریف کا نام ذکر رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ یعنی یہ قرآن بابرکت کوئی نہیں چیز نہیں لایا بلکہ جو کچھ انسان کی فطرت اور صحیفہ قدرت میں بھرا پڑا ہے اُسکو یاد دلاتا ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ یعنی یہ دین کوئی بات جبر سے منوانا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایکبات دلائل پیش کرتا ہے ماسوا اس کے قرآن میں دلونکو روشن کرنے کے لیے ایک روحانی خاصیت بھی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ یعنی قرآن اپنی خاصیت سے تمام بیماریوں کو دور کرتا ہے اسلیے اسکو منقولی کتاب نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے معقول دلائل اپنے ساتھ رکھتا ہے اور ایک چمکتا ہوا نور اُس میں پایا جاتا ہے ایسا ہی عقلی دلائل جو صحیح مقدمات سے مستنبط ہوں بلاشبہ علم الیقین تک پہنچاتے ہیں اسی کی طرف اللہ جل شانہ آیات مندرجہ ذیل میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ

النَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۔ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ یعنی جب دانشمند اور اہل عقل انسان زمین اور آسمان کے اجرام کی بناوٹ میں غور کرتے اور رات دن کی کمی بیشی کے موجبات اور علل کو نظر عمیق سے دیکھتے ہیں انھیں اس نظام پر نظر ڈالنے سے خدا تعالیٰ کے وجود پر دلیل ملتی ہے پس وہ زیادہ انکشاف کے لیے خدا سے مدد چاہتے ہیں اور اسکو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور کروٹ پر لیٹ کر یاد کرتے ہیں جس سے انکی عقلیں بہت صاف ہو جاتی ہیں پس جب وہ ان عقلوں کے ذریعہ سے اجرام فلکی اور زمینی کی بناوٹ احسن اور اولیٰ میں فکر کرتے ہیں تو بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ ایسا نظام ابلغ اور محکم ہرگز باطل اور بیہودہ نہیں بلکہ صانع حقیقی کا چہرہ دکھلا رہا ہے پس وہ الوہیت صانع عالم کا اقرار کر کے یہ مناجات کرتے ہیں کہ یا الٰہی تو اس سے پاک ہے کہ کوئی تیرے وجود سے انکار کر کے نالائق صفتوں سے تجھے موصوف کرے سو تو ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا یعنی تجھ سے انکار کرنا عین دوزخ ہے اور تمام آرام اور راحت تجھ میں اور تیری شناخت میں ہے جو شخص کہ تیری سچی شناخت سے محروم رہا وہ درحقیقت اسی دنیا میں آگ میں ہے ✦

ایسا ہی ایک علم کا ذریعہ انسانی کانشنس بھی ہے جس کا نام خدا کی کتاب میں انسانی فطرۃ رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا یعنی خدا کی فطرۃ جس پر لوگ پیدا کیے گئے ہیں اور وہ نقش فطرت کیا ہے یہی کہ خدا کو واحد لاشریک خالق الکل مرنے اور پیدا ہونے سے پاک سمجھنا اور ہم کانشنس کو علم الیقین کے مرتبہ پر اسلیے کہتے ہیں کہ گو بظاہر اسمیں ایک علم سے دوسرے علم کی طرف انتقال نہیں پایا جاتا ہے لیکن ایک قسم کے باریک انتقال سے یہ مرتبہ خالی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز میں خدا نے ایک نامعلوم خاصیت رکھی ہے جو بیان اور تقریر میں نہیں آ سکتی لیکن اس چیز پر نظر ڈالنے اور اسکا تصور کرنے سے بلا توقف اس خاصیت کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے غرض وہ خاصیت اس وجود کو ایسی لازم پڑی ہوئی ہے جیسا کہ آگ کو دھواں لازم ہے مثلاً جب ہم خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ کیسی ہونی چاہیے آیا خدا ایسا ہونا چاہیے کہ ہماری طرح پیدا ہو اور ہماری طرح دکھ اٹھاوے اور ہماری طرح مرے تو معاً اس تصور سے ہمارا دل دکھتا اور کانشنس کانپتا ہے اور اسقدر جوش دکھلاتا ہے کہ گویا اس خیال کو دھکے دیتا ہے اور بول اٹھتا ہے کہ وہ خدا جس کی طاقتوں پر تمام امیدوں کا مدار ہے وہ تمام نقصانوں سے پاک اور کامل اور قوی چاہیے اور جیسی ہی کہ خدا کا خیال ہمارے دل میں آتا ہے معاً توحید اور خدا میں دھوئیں اور آگ کی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ ملازمت تامہ کا احساس ہوتا ہے لہٰذا جو علم ہمیں ہمارے

کانشنس کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے وہ علم الیقین کے مرتبہ میں داخل ہے لیکن اس پر ایک اور مرتبہ ہے جو عین الیقین کہلاتا ہے اور اس مرتبہ سے اس طور کا علم مراد ہے کہ جب ہمارے یقین اور اس چیز میں جس پر کسی نوع کا یقین کیا گیا ہے کوئی درمیانی واسطہ نہ ہو۔ مثلاً جب ہم قوت شامہ کے ذریعہ سے ایک خوشبو یا بدبو کو معلوم کرتے ہیں اور یا ہم قوت ذائقہ کے ذریعہ سے شیریں یا نمکین پر اطلاع پاتے ہیں یا قوت حاسہ کے ذریعہ سے گرم یا سرد کو معلوم کرتے ہیں تو یہ تمام معلومات ہماری عین الیقین کی قسم میں داخل ہیں مگر عالم ثانی کے بارہ میں ہمارا علم الہیات تب عین الیقین کی حد تک پہنچتا ہے کہ جب خود بلا واسطہ ہم الہام یا وحی خدا کی آواز کو اپنے کانوں سے سنیں اور خدا کے صاف اور صحیح کشفوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں ہم بیشک کامل معرفت کے حاصل کرنے کے لیے بلا واسطہ الہام کے محتاج ہیں اور اس کامل معرفت کی ہم اپنے دل میں بھوک اور پیاس بھی پاتے ہیں اگر خدا تعالیٰ نے ہمارے لیے پہلے سے اس معرفت کا سامان میسر نہیں کیا تو یہ پیاس اور بھوک ہمیں کیوں لگا دی ہے کیا ہم اس زندگی میں جو ہماری آخرۃ کے ذخیرہ کے لیے ایک ہی پیمانہ ہے اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم اس سچے اور کامل اور قادر اور زندہ خدا پر صرف قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں ایمان لاویں یا محض عقلی معرفت پر کفایت کریں جو اب تک ناقص اور ناتمام معرفت ہے کیا خدا کے سچے عاشقوں اور حقیقی دلدادوں کا دل نہیں چاہتا کہ اس محبوب کے کلام سے لذت حاصل کریں کیا جنہوں نے خدا کے لیے تمام دنیا کو برباد کیا دل کو دیا جان کو دیا وہ اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ صرف ایک دھندلی سی روشنی میں کھڑے رہ کر مرتے رہیں اور اس آفتاب صداقت کا منہ نہ دیکھیں کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اس زندہ خدا کا **انا الموجود** کہنا وہ معرفت کا مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اگر دنیا کے تمام فلاسفروں کی خود تراشیدہ کتابیں ایک طرف رکھیں اور ایک طرف **انا الموجود** خدا کا کہنا تو اس کے مقابل وہ تمام دفتر ہیچ ہیں جو فلاسفر کہلا کر اندھے رہے وہ ہمیں کیا سکھائیں گے غرض اگر خدا تعالیٰ نے حق کے طالبوں کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرمایا ہے تو ضرور اس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا طریق کھلا رکھا ہے اس بارے میں اللہ جل شانہ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم** یعنی اے خدا ہمیں وہ استقامت کی راہ بتلا جو راہ ان لوگوں کی ہے جن پر تیرا انعام ہوا ہے اس جگہ انعام سے مراد الہام اور کشف وغیرہ آسمانی علوم ہیں جو انسان کو براہ راست ملتے ہیں ایسا ہی ایک دوسری جگہ فرماتا ہے **ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون** یعنی جو لوگ خدا پر ایمان لا کر پوری پوری استقامت اختیار کرتے ہیں ان پر خدا تعالیٰ کے فرشتے اترتے ہیں اور یہ الہام ان کو کرتے ہیں کہ تم کچھ خوف اور غم نہ کرو تمہارے لیے وہ بہشت ہے جس کے بارے میں تمہیں وعدہ دیا گیا ہے سو اس آیت میں بھی صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نیک بندے غم اور خوف کے وقت

خدا سے الہام پاتے ہیں اور فرشتے اُتر کر اُن کی تسلی کرتے ہیں اور پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ یعنی خدا کے دوستوں کو الہام اور خدا کے مکالمہ کے ذریعہ سے اس دنیا میں خوشخبری ملتی ہے اور آیندہ زندگی میں بھی ملے گی لیکن اس جگہ یاد رہے کہ الہام کے لفظ سے اس جگہ یہ مراد نہیں ہے کہ سوچ اور فکر کی کوئی بات دل میں پڑ جاوے جیسا کہ جب شاعر شعر کے بنانے میں کوشش کرتا ہے یا ایک مصرع بنا کر دوسرا سوچتا رہتا ہے تو دوسرا مصرع دل میں پڑتا ہے سو یہ دل میں پڑ جانا الہام نہیں ہے بلکہ یہ خدا کے قانون قدرت کے موافق اپنے فکر اور سوچ کا ایک نتیجہ ہے جو شخص اچھی باتیں سوچتا ہے یا بری باتوں کے لیے فکر کرتا ہے اُسکی تلاش کے موافق کوئی بات ضرور اُسکے دل میں پڑ جاتی ہے ایک شخص مثلاً نیک اور راستباز آدمی ہے جو سچائی کی حمایت میں چند شعر بناتا ہے اور دوسرا شخص جو ایک گندہ اور پلید آدمی ہے اپنے شعر و نہیں جھوٹھ کی حمایت کرتا ہے اور راستبازوں کو گالیاں نکالتا ہے تو بلا شبہ یہ دونوں کچھ نہ کچھ شعر بنا لیں گے بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ راستبازوں کا دشمن جو جھوٹھ کی حمایت کرتا ہے بباعث دائمی مشق کے اسکا شعر عمدہ ہو سو اگر صرف دل میں پڑ جانے کا نام الہام ہے تو پھر ایک بدمعاش شاعر جو راستبازی اور راستبازوں کا .... دشمن اور ہمیشہ حق کی مخالفت کے لیے قلم اُٹھاتا اور افتراؤں سے کام لیتا ہے خدا کا ملہم کہلائے گا دنیا میں ناولوں وغیرہ میں جادو بیانیاں پائی جاتی ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ اسطرح سراسر باطل مگر مسلسل مضمون لوگوں کے دلوں میں پڑتے ہیں پس کیا ہم اُنکو الہام کہہ سکتے ہیں بلکہ اگر الہام صرف دل میں بعض باتیں پڑ جانے کا نام ہے تو ایک چور بھی ملہم کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ بسا اوقات فکر کر کے اچھے اچھے طریق نقب زنی کے نکال لیتا ہے اور عمدہ عمدہ تدبیریں ڈاکہ مارنے اور خون ناحق کرنے کی اُسکے دل میں گذر جاتی ہیں تو کیا لائق ہے کہ ہم ان تمام ناپاک طریقوں کا نام الہام رکھدیں ہرگز نہیں بلکہ یہ اُن لوگوں کا خیال ہے جنکو اب تک اُس سچے خدا کی خبر نہیں جو اپنے خاص مکالمہ سے دلوں کو تسلی دیتا اور ناواقفوں کو روحانی علوم سے معرفت بخشتا ہے الہام کیا چیز ہے وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے سو جب یہ مکالمہ اور مخاطبہ کافی اور تسلی بخش سلسلہ کے ساتھ شروع ہو جاوے اور اس میں خیالات فاسدہ کی تاریکی نہ ہو اور نہ غیر مکتفی اور چند بے سر و پا لفظ ہوں اور کلام لذیذ اور پُر حکمت اور پُر شوکت ہو تو وہ خدا کا کلام ہے جس سے وہ اپنے بندہ کو تسلی دینا چاہتا ہے اور اپنے تئیں اُس پر ظاہر کرتا ہے ہاں کبھی ایک کلام محض امتحان کے طور پر ہوتا ہے اور پورا اور بابرکت سامان ساتھ نہیں رکھتا اس میں خدا تعالیٰ کے بندہ کو اسکی ابتدائی حالت میں آزمایا جاتا ہے تا وہ ایک ذرہ الہام کا مزہ چکھ کر پھر واقعی طور پر اپنا حال و قال سچے ملہموں کی طرح بنا وے یا ٹھوکر کھاوے پس اگر وہ حقیقی راستبازی صدیقوں

خدا اس کے ساتھ جسکو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے اور زندہ اور با قدرت کلام کے ساتھ

کی طرح اختیار نہیں کرتا تو اس نعمت کے کمال سے محروم رہ جاتا ہے اور صرف بیہودہ لاف زنی اسکے ہاتھ میں ہوتی ہے کروڑہا نیک بندوں کو الہام ہوتا رہا ہے مگر اُن کا مرتبہ خدا کے نزدیک ایک درجہ کا نہیں بلکہ خدا کے پاک نبی جو پہلے درجہ پر کمال صفائی سے خدا کا الہام پانیوالے ہیں وہ بھی مرتبہ میں برابر نہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یعنی بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ الہام محض فضل ہے اور فضیلت کے وجود میں اُسکو دخل نہیں بلکہ فضیلت اس صدق اور اخلاص اور وفاداری کے قدر پر ہے جسکو خدا جانتا ہے ہاں الہام بھی اگر اپنی بابرکت شرائط کے ساتھ ہو تو وہ بھی انکا ایک پھل ہے اسمیں کچھ شک نہیں کہ اگر اس رنگ میں الہام ہو کہ بندہ سوال کرتا ہے اور خدا اُسکا جواب دیتا ہے اسی طرح ایک ترتیب کے ساتھ سوال و جواب ہو اور الٰہی شوکت اور نور الہام میں پایا جاوے اور علوم غیب یا معارف صحیحہ پر مشتمل ہو تو وہ خدا کا الہام ہے خدا کے الہام میں یہ ضروری ہے کہ جسطرح ایک دوست دوسرے دوست سے ملکر باہم ہمکلام ہوتا ہے اسی طرح رب اور اُسکے بندہ میں ہمکلامی واقع ہو اور جب کسی امر میں سوال کرے تو اُسکے جواب میں ایک کلام لذیذ فصیح خدا تعالیٰ کیطرف سے سُنے جس میں اپنے نفس اور فکر اور غور کا کچھ بھی دخل نہ ہو اور وہ مکالمہ اور مخاطبہ اُس کے لیے موہبت ہو جائے تو وہ خدا کا کلام ہے اور ایسا بندہ خدا کی جناب میں عزیز ہے مگر یہ درجہ کہ الہام بطور موہبت ہو اور زندہ اور پاک الہام کا سلسلہ ایسے بندہ سے خدا کو حاصل ہو اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ہو یہ کسیکو نہیں ملتا بجز اُن لوگوں کے جو ایمان اور اخلاص اور اعمال صالحہ میں ترقی کریں اور نیز اس چیز میں جسکو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ سچا اور پاک الہام الوہیت کے بڑے بڑے کرشمے دکھلاتا ہے بارہا ایک نہایت چمکدار نور پیدا ہوتا ہے اور ساتھ اس کے پُر شوکت اور ایک چمکدار الہام آتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ ملہم اُس ذات سے باتیں کرتا ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا ہے دنیا میں خدا کا دیدار یہی ہے کہ خدا سے باتیں کرے مگر اس ہمارے بیان میں انسان کی وہ حالت داخل نہیں ہے جو کسی کی زبان پر بے ٹھکانہ کوئی لفظ یا فقرہ یا شعر جاری ہو اور ساتھ اسکے کوئی مکالمہ اور مخاطبہ نہ ہو بلکہ ایسا شخص خدا کے امتحان میں گرفتار ہے کیونکہ خدا اسطریق سے بھی سست اور غافل بندوں کو آزماتا ہے کہ کبھی کوئی فقرہ یا عبارت کسی کے دل پر یا زبان پر جاری کیجاتی ہے اور وہ شخص اندھے کیطرح ہو جاتا ہے نہیں جانتا کہ وہ عبارت کہاں سے آئی خدا سے یا شیطان سے سو ایسے فقرات سے استغفار لازم ہے لیکن اگر ایک صالح اور نیک بندہ کو بے حجاب مکالمہ الٰہی شروع ہو جاوے اور مخاطبہ اور مکالمہ کیطور پر ایک کلام روشن لذیذ پُر معنی پُر حکمت پوری شوکت کے ساتھ اُسکو سُنائی دے اور کم سے کم بارہا اسکو ایسا اتفاق ہوا ہو کہ خدا میں اور اُس میں عین بیداری میں

دس مرتبہ سوال وجواب ہوا ہو اس نے سوال کیا خدا نے جواب دیا پھر اُسی وقت عین بیداری میں
اُس نے کوئی اَور عرض کی اور خدا نے اُس کا بھی جواب دیا پھر گذارش عاجزانہ کی خدا نے اُسکا بھی جواب
عطا فرمایا ایسا ہی دس مرتبہ تک خدا میں اور اُسمیں باتیں ہوتی رہیں اور خدا نے بار ہا ان مکالمات
میں اُسکی دعائیں منظور کی ہوں عمدہ عمدہ معارف پر اُسکو اطلاع دی ہو آنیوالے واقعات کی اُسکو
خبر دی ہو اور اپنے برہنہ مکالمہ سے بار بار کے سوال وجواب میں اسکو مشرف کیا ہو تو ایسے شخص
کو خدا تعالےٰ کا بہت شکر کرنا چاہیے اور سب سے زیادہ خدا کی راہ میں فدا ہونا چاہیے کیونکہ خدا نے
محض اپنے کرم سے اپنے تمام بندوں میں سے اُسے چُن لیا اور اُن صدیقوں کا اُسکو وارث بنا دیا
جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں یہ نعمت نہایت ہی نادر الوقوع اور خوش قسمتی کی بات ہے جسکو ملی
اس کے بعد جو کچھہ ہے وہ ہیچ ہے اس مرتبہ اور اس مقام کے لوگ اسلام میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں
اور ایک اسلام ہی ہے جسمیں خدا بندہ سے قریب ہو کر اس سے باتیں کرتا اور اسکے اندر بولتا ہے
وہ اُس کے دل میں اپنا تخت بناتا اور اس کے اندر سے اُسے آسمان کی طرف کھینچتا ہے اور اُسکو
وہ سب نعمتیں عطا فرماتا ہے جو پہلونکو دی گئیں افسوس اندھی دنیا نہیں جانتی کہ انسان نزدیک
ہوتا ہوتا کہاں تک پہنچ جاتا ہے وہ آپ تو قدم نہیں اُٹھاتے اور جو قدم اُٹھاوے تو یا تو اُسکو
کافر ٹھہرایا جاتا ہے اور یا اُسکو معبود ٹھہرا کر خدا کی جگہ دیجاتی ہے یہ دونوں ظلم ہیں ایک افراط سے
ایک تفریط سے پیدا ہوا مگر عقلمند کو چاہیے کہ وہ کم ہمت نہ ہو اور اس مقام اور اس مرتبہ کا انکاری
نہ ہو اور صاحب اس مرتبہ کی کسر شان نہ کرے اور نہ اس کی پوجا شروع کردے اس مرتبہ پر خدا تعالیٰ وہ
تعلقات اس بندہ سے ظاہر کرتا ہے کہ گویا اپنی الوہیت کی چادر اُسپر ڈالدیتا ہے اور ایسا شخص خدا
کے دیکھنے کا آئینہ بنجاتا ہے یہی بھید ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسنے مجھے دیکھا اُس
نے خدا کو دیکھ لیا غرض یہ بندوں کے لیے انتہائی مرتبہ ہے اور اسپر تمام سلوک ختم ہوجاتے ہیں اور پوری
تسلی ملتی ہے۔ میں بنی نوع پر ظلم کرونگا اگر میں اسوقت ظاہر نہ کروں کہ وہ مقام جسکی میں نے یہ تعریفیں
کی ہیں اور وہ مرتبہ مکالمہ اور مخاطبہ کا جسکی میں نے اس وقت تفصیل بیان کی وہ خدا کی عنایت نے
مجھے عنایت فرمایا ہے تا میں اندھونکو بینائی بخشوں اور ڈھونڈنے والونکو اُس گم گشتہ کا پتا دوں
اور سچائی قبول کرنے والونکو اُس پاک چشمہ کی خوشخبری سُناؤں جس کا تذکرہ بہتوں میں ہے اور
پانیوالے تھوڑے ہیں میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جس کے ملنے میں انسان کی نجات
اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں مل سکتا کاش جو میں نے دیکھا ہے
لوگ دیکھیں اور جو میں نے سُنا ہے وہ سُنیں اور قصوں کو چھوڑ دیں اور حقیقت کی طرف دوڑیں
وہ کامل علم کا ذریعہ جس سے خدا نظر آتا ہے وہ میل اُتارنے والا پانی جس سے تمام شکوک دور ہوجاتے

ہیں وہ آئینہ جس سے اُس برتر ہستی کا درشن ہو جاتا ہے خدا کا وہ مکالمہ اور مخاطبہ ہے جس کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں جس کی روح میں سچائی کی طلب ہے وہ اُٹھے اور تلاش کرے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر روحوں میں سچی تلاش پیدا ہو اور دلوں میں سچی پیاس لگجائے تو لوگ اس طریق کو ڈھونڈیں اور اس راہ کی تلاش میں لگیں مگر یہ راہ کس طریق سے کھلے گی اور حجاب کس دوا سے اُٹھے گا میں سب طالبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اسلام ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے اور دوسری قومیں تو خدا کے الہام پر مدت سے مہر لگا چکی ہیں سو یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کی طرف سے مہر نہیں بلکہ محرومی کی وجہ سے انسان ایک حیلہ پیدا کر لیتا ہے اور یقیناً سمجھو کہ جسطرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں یا بغیر کانوں کے سن سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں اسیطرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ بغیر قرآن کے اُس پیارے محبوب کا منہ دیکھ سکیں + میں جوان تھا اب بوڑھا ہوا مگر میں نے کوئی نہ پایا جس نے بغیر اس پاک چشمہ کے اس کھلی کھلی معرفت کا پیالہ پیا ہو۔

اے عزیزو اے پیارو کوئی انسان خدا کے ارادوں میں اس سے لڑائی نہیں کر سکتا یقیناً سمجھلو کہ کامل علم کا ذریعہ خدا تعالے کا الہام ہے جو خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کو ملا پھر بعد اسکے اُس خدا نے جو دریائے فیض ہے یہ ہرگز نہ چاہا کہ آئندہ اس الہام کو مہر لگا دے اور اسطرح دنیا کو تباہ کرے بلکہ اُس کے الہام اور مکالمے اور مخاطبے کے ہمیشہ دروازے کھلے ہیں۔ ہاں اُنکو اُنکی راہوں سے ڈھونڈو تب وہ آسانی سے تمھیں ملیں گے وہ زندگی کا پانی آسمان سے آیا اور مناسب مقام پر ٹھہرا اب تمھیں کیا کرنا چاہیے تا تم اس پانی کو پی سکو یہی کرنا چاہیے کہ اُفتاں و خیزاں اس چشمہ تک پہنچو پھر اپنا منہ اس چشمہ کے آگے رکھدو تا اُس زندگی کے پانی سے سیراب ہو جاؤ انسان کی تمام سعادت اسی میں ہے کہ جہاں روشنی کا پتا ملے اُسی طرف دوڑے اور جہاں اس گم گشتہ دوست کا نشان پیدا ہو اسی راہ کو اختیار کرے دیکھتے ہو کہ ہمیشہ آسمان سے روشنی اُترتی اور زمین پر پڑتی ہے اسیطرح ہدایت کا سچا نور آسمان سے ہی اُترتا ہے انسان کی اپنی ہی باتیں اور اپنی ہی اٹکلیں سچا گیان اُسکو نہیں بخش سکتیں کیا تم خدا کو بغیر خدا کی تجلی کے پا سکتے ہو کیا تم بغیر اس آسمانی روشنی کے اندھیرے میں دیکھ سکتے ہو اگر دیکھ سکتے ہو تو شاید اسجگہ بھی دیکھلو مگر ہماری آنکھیں گو بینا ہوں تاہم آسمانی روشنی کی محتاج ہیں اور ہمارے کان گو شنوا ہوں تاہم اُس ہوا کے حاجتمند ہیں جو خدا کی طرف سے چلتی ہے وہ خدا سچا خدا نہیں ہے جو خاموش ہے اور سارا مدار ہماری اٹکلوں پر ہے بلکہ کامل اور زندہ خدا وہ ہے جو اپنے وجود کا آپ پتا دیتا رہا ہے اور اب بھی اُس نے یہی چاہا ہے کہ آپ اپنے وجود کا پتا دیوے آسمانی کھڑکیاں کھلنے کو ہیں عنقریب صبح صادق ہونیوالی ہے مبارک وہ جو اُٹھ بیٹھیں اور اب سچے خدا کو ڈھونڈیں وہی خدا جسپر کوئی گردش اور مصیبت نہیں آتی جس کے جلال کی چمک پر کبھی حادثہ نہیں پڑتا قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی خدا ہی ہے جو ہر دم آسمان کا نور اور زمین کا نور ہے اسی سے ہر ایک جگہ روشنی پڑتی ہے آفتاب کا وہی آفتاب ہے زمین کے تمام جانداروں کی وہی جان ہے سچا زندہ خدا وہی ہے مبارک وہ جو اسکو قبول کرے +

تیسرا علم کا ذریعہ وہ امور ہیں جو حق الیقین کے مرتبہ پر ہیں اور وہ تمام شدائد اور مصائب اور تکالیف ہیں جو خدا کے نبیوں اور راستبازوں کو مخالفوں کے ہاتھ سے یا آسمانی قضاء و قدر سے پہونچتے ہیں اور اس قسم کے دکھوں اور تکلیفوں سے وہ تمام شرعی ہدایتیں جو محض علمی طور پر انسان کے دلمیں تھیں اُن پر وارد ہو کر عملی رنگ میں آجاتی ہیں اور پھر عمل کی زمین سے نشو و نما پا کر کمال تام تک پہونچ جاتی ہیں اور عمل کرنے والوں کا اپنا ہی وجود ایک نسخہ مکمل خدا کی ہدایتوں کا ہو جاتا ہے اور وہ تمام اخلاق عفو اور انتقام اور صبر اور رحم وغیرہ جو صرف دماغ اور دل میں بھرے ہوئے تھے اب تمام اعضا کو عملی مزاولت کی برکت سے اُن سے حصہ ملتا ہے اور وہ تمام جسم پر وارد ہو کر اپنے نقش و نگار اس پر جما دیتے ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۔ لَتُبْلَوُنَّ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا ۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ یعنی ہم تمہیں خوف اور فاقہ اور مال کے نقصان اور جان کے نقصان اور کوشش ضائع جانے اور اولاد کے فوت ہونے سے آزمائیں گے یعنی یہ تمام تکلیفیں قضاء قدر کے طور پر یا دشمن کے ہاتھ سے تمہیں پہونچیں گی سو اُن لوگوں کو خوشخبری ہو جو مصیبت کے وقت صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے ہیں اور خدا کی طرف رجوع کرینگے ان لوگوں پر خدا کا درود اور رحمت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے کمال تک پہونچ گئے ہیں یعنی محض اس علم میں کچھ شرف اور بزرگی نہیں جو صرف دماغ اور دل میں بھرا ہوا ہو بلکہ حقیقت میں علم وہ ہے کہ دماغ سے اُتر کر تمام اعضا اس سے متادب اور رنگین ہو جائیں اور حافظہ کی یادداشتیں عملی رنگ میں دکھائی دیں سو علم کے مستحکم کرنے اور اسکے ترقی دینے کا یہ بڑا ذریعہ ہے کہ عملی طور پر اسکے نقوش اپنے اعضا میں جما لیں کوئی ادنیٰ علم بھی عملی مزاولت کے بغیر اپنے کمال کو نہیں پہونچتا مثلاً مدت دراز سے ہمارے علم میں یہ بات ہے کہ روٹی پکانا نہایت ہی سہل بات ہے اور اسمیں کوئی زیادہ باریکی نہیں صرف اسقدر ہے کہ آٹا گوندھ کر اور بقدر ایک ایک روٹی کے اس آٹے کے پیڑے بنا دیں اور اُنکو دونوں ہاتھوں کے باہم ملانے سے چوڑے کر کے توے پر ڈالدیں اور ادھر اُدھر پھیر کر اور آگ پر سینک کر

رکھ لیں روٹی پک جائے گی یہ تو ہماری صرف علمی لاف و گزاف ہی لیکن جب ہم ناتجربہ کار پکی جاتیں پکانے لگینگے تو اول ہمپر یہی مصیبت پڑے گی کہ آٹے کو اسکے مناسب قوام پر رکھ سکیں بلکہ یا تو بہت سا پتھر رہیگا اور یا پتلا ہو کر گلگلوں کے لائق ہو جائے گا اور اگر مر مر کر اور تھک تھک کر گوندہ بھی لیا تو روٹی کا یہ حال ہوگا کہ کچھ جلیگی اور کچھ کچی رہے گی بیچمیں گٹھا رہیگی اور کئی طرف سے کان نکلی ہوئے ہوں گے حالانکہ پچاس برس تک ہم پکتی ہوئی دیکھتے رہے غرض مجرد علم کی شامت سے جو عملی مشق کے نیچے نہیں آیا کئی سیر آٹے کا نقصان کرینگے پھر جبکہ ادنیٰ ادنیٰ سی بات میں ہمارے علم کا یہ حال ہے تو بڑے بڑے امور میں بجز عملی مزاولت اور مشق کے صرف علم پر کیونکر بھروسہ رکھیں سو خدا تعالے ان آیتوں میں یہ سکھاتا ہے کہ جو مصیبتیں میں تمپر ڈالتا ہوں وہ بھی علم اور تجربہ کا ذریعہ ہیں یعنی اس سے تمھارا علم کامل ہوتا ہے اور پھر آگے فرماتا ہے کہ تم اپنے مالوں اور جانوں میں بھی آزمائے جاوگے لوگ تمھارے مال لوٹیں گے تمھیں قتل کرینگے اور تم یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکوں کے ہاتھ سے بہت ہی ستائے جاوگے وہ بہت کچھ ایذا کی باتیں تمھارے حق میں کہیں گے پس اگر تم صبر کروگے اور بیجا باتوں سے بچوگے تو یہ ہمت اور بہادری کا کام ہوگا۔ ان تمام آیات کا مطلب یہ ہے کہ بابرکت علم وہی ہوتا ہے جو عمل کے مرتبہ میں اپنی چمک دکھاوے اور منحوس علم وہ ہے جو صرف علم کی حد تک ہے کبھی عمل تک نوبت نہ پہونچے۔

جاننا چاہیئے کہ جسطرح مال تجارت سے بڑھتا اور پھولتا ہے ایسا ہی علم عملی مزاولت سے اپنے روحانی کمال کو پہونچتا ہے۔ سو علم کو کمال تک پہونچانے کا بڑا ذریعہ عملی مزاولت ہے مزاولت سے علم میں نور آجاتا ہے اور یہ بھی سمجھو کہ علم کا حق الیقین کے مرتبہ تک پہونچنا اور کیا ہوتا ہے یہی تو ہے کہ عملی طور پر ہر ایک گوشہ اُس کا آزمایا جائے چنانچہ اسلام میں ایسا ہی ہوا جو کچھ خدا تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو سکھایا اُنکو یہ موقعہ دیا کہ عملی طور پر اس تعلیم کو چمکاویں اور اسکے نور سے پُر ہو جاویں اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح کو دو حصوں پر منقسم کر دیا ایک حصہ دکھوں اور مصیبتوں اور تکلیفوں کا اور دوسرا حصہ فتحیابی کا تا مصیبتوں کے وقت میں وہ خلق ظاہر ہوں جو مصیبتوں کے وقت ظاہر کرتے ہیں اور فتح اور اقتدار کے وقت میں وہ خُلق ثابت ہوں جو بغیر اقتدار کے ثابت نہیں ہوتے سو ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں قسم کے اخلاق دونوں زمانوں اور دونوں حالتوں کے وارد ہونے سے کمال وضاحت سے ثابت ہو گئے چنانچہ وہ مصیبتوں کا زمانہ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تیرہ برس تک مکہ معظمہ میں شامل حال رہا اُس زمانہ کی سوانح پڑھنے سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اخلاق جو مصیبتوں کے وقت کامل راستباز کو دکھلانے چاہییں یعنی خدا پر توکل رکھنا اور جزع فزع سے کنارہ کرنا اور اپنے کام میں سُست نہ ہونا اور کسی کے رعب سے نہ ڈرنا ایسے طور پر دکھلا دیے جو کفار ایسی استقامت کو دیکھ کر ایمان

لائے اور شہادۃ دی کہ جبتک کسی کا پورا بھروسہ خدا پر نہو تو اس استقامۃ اور سطوت سے دکھوں کی برداشت نہیں کرسکتا +
اور پھر جب دوسرا زمانہ آیا یعنی فتح اور اقتدار اور ثروت کا زمانہ تو اُس زمانہ میں بھی آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق عفو اور سخاوت اور شجاعت کے ایسے کمال کے ساتھ صادر ہوئے جو ایک گروہ کثیر کفار کا انہی اخلاق کو دیکھ کر ایمان لایا دُکھ دینے والوں کو بخشا اور شہر سے نکالنے والوں کو امن دیا ان کے محتاجوں کو مال سے مالامال کردیا اور قابو پاکر اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو بخشدیا چنانچہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اخلاق دیکھ کر گواہی دی کہ جبتک کوئی خدا کی طرف سے اور حقیقۃً راستباز نہ ہو یہ اخلاق ہرگز دکھا نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ آپکے دشمنوں کے پُرانے کینے یک لخت دور ہوگئے آپ کا بڑا بھاری خُلق جسکو آپنے ثابت کرکے دکھلا دیا وہ خلق تھا جو قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ یہ ہے قُلْ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی انکو کہدے کہ میری عبادت اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا خدا کی راہ میں ہے یعنی اُس کا جلال ظاہر کرنے کے لیے اور نیز اُس کے بندوں کے آرام دینے کے لیے ہے تا میرے مرنیسے انکو زندگی حاصل ہو اسجگہ جو خدا کی راہ میں اور بندوں کی بھلائی کے لیے مرنیکا ذکر کیا گیا ہے اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ آپنے نعوذ باللہ جاہلوں یا دیوانوں کیطرح درحقیقت خودکشی کا ارادہ کرلیا تھا اس وہم سے کہ اپنے تئیں کسی آلہ کے قتل کے ذریعہ سے ہلاک کرنا اوروں کو فائدہ پہونچا ئے گا بلکہ آپ ان بیہودہ باتوں کے سخت مخالف تھے اور قرآن ایسی خودکُشی کے مرتکب کو سخت مجرم اور قابل سزا ٹھہراتا ہے جیساکہ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ یعنی خودکُشی نہ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کے باعث نہ ٹھہرو اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مثلاً خالد کے پیٹ میں درد ہو اور زید اُسپر رحم کرکے اپنا سر پھوڑے تو زید نے خالد کے حق میں کوئی نیکی کا کام نہیں کیا بلکہ اپنے سر کو احمقانہ حرکت سے ناحق پھوڑا نیکی کا کام تب ہوتا کہ جب زید خالد کی خدمت میں مناسب اور مفید طریق کے ساتھ سرگرم رہتا اور اُس کے لیے عمدہ دوائیں میسر کرتا اور طبابت کے قواعد کے موافق اس کا علاج کرتا مگر اُسکے سر کے پھوڑنے سے زید کو تو کوئی فائدہ نہ پہونچا ناحق اُس نے اپنے وجود کے ایک شریف عضو کو دُکھ پہونچایا غرض اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی ہمدردی اور محنت اُٹھانے سے بنی نوع کی رہائی کے لیے جان کو وقف کردیا تھا اور دعا کے ساتھ اور تبلیغ کے ساتھ اور اُن کے جور و جفا اُٹھانے کے ساتھ اور ہر ایک مناسب اور حکیمانہ طریق کے ساتھ اپنی جان اور اپنے آرام کو اس راہ میں فدا کردیا تھا جیساکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ فَلَا تَذْھَبْ نَفْسُکَ عَلَیْھِمْ حَسَرَاتٍ کیا تو اس غم اور اس سخت محنت میں جو لوگوں کے لیے اُٹھا رہا ہے اپنے تئیں ہلاک کردیگا اور کیا ان لوگوں کے لیے

جو حق کو قبول نہیں کرتے تو حسرتیں کھا کھا کر اپنی جان دیگا سو قوم کی راہ میں جان دینے کا حکیمانہ طریق یہی ہے کہ قوم کی بھلائی کے لیے قانون قدرت کے مفید راہوں کے موافق اپنی جان پر سختی اُٹھاویں اور مناسب تدبیروں کے بجالانے سے اپنی جان اُنپر فدا کردیں نہ یہ کہ قوم کو سخت بلا یا گمراہی میں دیکھ کر اور خطرناک حالت میں پاکر اپنے سر پر پتھر مار لیں یا دو تین رتی اسٹرکنیا کھا کر اس جہان سے رخصت ہوجائیں اور پھر گمان کریں کہ ہم نے اپنی اس حرکت بیجا سے قوم کو نجات دیدی ہے یہ مردوں کا کام نہیں ہے زنانہ خصلتیں ہیں اور بے حوصلہ لوگوں کا ہمیشہ سے یہی طریق ہے کہ مصیبت کو قابل برداشت نہ پاکر جھٹ پٹ خودکشی کیطرف دوڑتے ہیں ایسی خودکشی کی گو بعد میں کتنی ہی تاویلیں کیجائیں مگر یہ حرکت بلاشبہ عقل اور عقلمندوں کا ننگ ہے مگر ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا صبر اور دشمن کا مقابلہ نہ کرنا معتبر نہیں ہے جسکو انتقام کا موقعہ ہی نہ ملا کیونکہ کیا معلوم ہے کہ اگر وہ انتقام پر قدرت پاتا تو کیا کچھ کرتا جب تک انسان پر وہ زمانہ آوے جو ایک مصیبتوں کا زمانہ اور ایک مقدرت اور حکومت اور ثروت کا زمانہ ہو اُسوقت تک اسکے سچے اخلاق ہرگز ظاہر نہیں ہوسکتے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص صرف کمزوری اور ناداری اور بے اقتداری کی حالت میں لوگوں کی ماریں کھاتا مرجاوے اور اقتدار اور حکومت اور ثروت کا زمانہ نہ پاوے اُسکے اخلاق میں سے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا اور اگر کسی میدان جنگ میں حاضر نہیں ہوا تو یہ بھی ثابت نہ ہوگا کہ وہ دل کا بہادر تھا یا بزدل - اس کے اخلاق کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم نہیں جانتے ہمیں کیا معلوم ہے کہ اگر وہ اپنے دشمنوں پر قدرت پاتا تو اُنسے کیا سلوک بجا لاتا اور اگر وہ دولتمند ہوجاتا تو اس دولت کو جمع کرتا یا لوگوں کو دیتا اور اگر وہ کسی میدان جنگ میں آتا تو دُم دبا کر بھاگ جاتا یا بہادروں کی طرح ہاتھ دکھاتا مگر خدا کی عنایت اور فضل نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ان اخلاق کے ظاہر کرنے کا موقع دیا چنانچہ سخاوت اور شجاعت اور حلم اور عفو اور عدل اور اپنے اپنے موقع پر ایسے کمال سے ظہور میں آئے کہ صفحہ دنیا میں اسکی نظیر ڈھونڈنا لاحاصل ہے اپنے دونوں زمانوں میں ضعف اور قدرت اور ناداری اور ثروت میں تمام جہان کو دکھلا دیا کہ وہ ذات پاک کیسی اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی جامع تھی اور کوئی انسانی خلق اخلاق فاضلہ میں سے ایسا نہیں ہے جو اس کے ظاہر ہونیکے لیے آپکو خدا تعالیٰ نے ایک موقع نہ دیا شجاعت سخاوت - استقلال - عفو - حلم وغیرہ وغیرہ تمام اخلاق فاضلہ ایسے طور پر ثابت ہوگئے کہ دنیا میں اسکی نظیر کا تلاش کرنا طلب محال ہے - ہاں یہ سچ ہے کہ جنھوں نے ظلم کو انتہا تک پہونچا دیا اور اسلام کو نابود کرنا چاہا خدا نے انکو بھی بے سزا نہیں چھوڑا کیونکہ ان کو بے سزا چھوڑنا گویا راستبازوں کو اُن کے پیروں کے نیچے ہلاک کرنا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں کی ہرگز یہ غرض نہ تھی

کہ خواہ نخواہ لوگوں کو قتل کیا جاوے وہ اپنے باپ دادا کے ملک سے نکالے گئے تھے اور بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں بیگناہ شہید کیے گئے تھے اور ابھی ظالم ظلم سے باز نہیں آتے تھے اور اسلام کی تعلیم کو روکتے تھے لہذا خدا کے قانون حفاظت نے یہ چاہا کہ مظلوموں کو بالکل نابود ہونے سے بچالے سو جنہوں نے تلوار اُٹھائی تھی اُنہی کے ساتھ تلوار کا مقابلہ ہوا۔ غرض قتل کرنے والوں کا فتنہ فرو کرنے کے لیے بطور مدافعت شر کے وہ لڑائیاں تھیں اور اُسوقت ہوئیں جبکہ ظالم طبع لوگ اہل حق کو نابود کرنا چاہتے تھے اس حالت میں اگر اسلام اس حفاظت خود اختیاری کو عمل میں نہ لاتا تو ہزاروں بچے اور عورتیں بیگناہ قتل ہو کر آخر اسلام نابود ہو جاتا یاد رہے کہ ہمارے مخالفین کی یہ بڑی زبردستی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ الہامی ہدایت ایسی ہونی چاہیے جس کے کسی مقام اور کسی محل میں دشمنوں کے مقابلہ کی تعلیم ہو اور ہمیشہ حلم اور نرمی کے پیرایہ میں اپنی محبت اور رحمت کو ظاہر کرے ایسے لوگ اپنی دانست میں خدائے عزوجل کی بڑی تعظیم کر رہے ہیں کہ جو اُسکی تمام صفات کاملہ کو صرف نرمی اور ملائمت پر ہی ختم کرتے ہیں لیکن اس معاملہ میں فکر اور غور کرنے والوں پر بآسانی کھل سکتا ہے کہ یہ لوگ بڑی موٹی اور فاش غلطی میں مبتلا ہیں خدا کے قانون قدرت پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کے لیے وہ رحمت محض تو ضرور ہے مگر وہ رحمت ہمیشہ اور ہر حال میں نرمی اور ملائمت کے رنگ میں ظہور پذیر نہیں ہوتی بلکہ وہ سراسر رحمت کے تقاضا سے طبیب حاذق کی طرح کبھی شربت شیریں ہمیں پلاتا ہے اور کبھی دوائی تلخ دیتا ہے اُسکی رحمت نوع انسان پر اسطرح وارد ہوتی ہے جیسے ہم میں سے ایک شخص اپنے تمام وجود پر رحمت رکھتا ہے اس بات میں کسیکو شک نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک فرد ہم میں سے اپنے سارے وجود سے پیار رکھتا ہے اور اگر کوئی ہمارے ایک بال کو اکھاڑنا چاہے تو ہم اُسپر سخت ناراض ہوتے ہیں لیکن باوصف اسکے کہ ہماری محبت جو ہم اپنے وجود سے رکھتے ہیں ہمارے تمام وجود میں بٹی ہوئی ہے اور تمام اعضا ہمارے لیے پیارے ہیں ہم کسیکا نقصان نہیں چاہتے مگر پھر بھی یہ بات بیداہت ثابت ہے کہ ہم اپنے تمام اعضا سے ایک ہی درجہ کی اور یکساں محبت نہیں رکھتے بلکہ اعضاء رئیسہ و شریفہ کی محبت جنپر ہمارے مقاصد کا بہت کچھ مدار ہے ہمارے دلوں پر غالب ہوتی ہے ایسا ہی ہماری نظر میں ایک ہی عضو کی محبت کی نسبت مجموعہ اعضاء کی محبت بہت بڑھ کر ہوتی ہے پس جب کبھی ہمارے لیے کوئی ایسا موقعہ آ پڑتا ہے کہ ایک عضو کا بچاؤ ادنیٰ درجہ کے عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے یا توڑنے پر موقوف ہوتا ہے تو ہم جان کے بچانے کے لیے بلا تامل اُسی عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے پر مستعد ہو جاتے ہیں اور گو اُسوقت ہمارے دل میں یہ رنج بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے ایک پیارے عضو کو زخمی کرتے یا کاٹتے ہیں مگر اس خیال سے کہ اس عضو کا فساد کسی دوسرے شریف عضو کو بھی ساتھ ہی تباہ نہ کرے ہم کاٹنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں پس اسی مثال سے سمجھ لینا چاہیے کہ خدا بھی جب دیکھتا ہے کہ اسکے راست باز باطل پرستوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوتے ہیں اور فساد پھیلاتا ہے تو راستبازوں کی جان کے بچاؤ اور فساد کے فرو کرنیکے لیے مناسب تدبیر ظہور میں لاتا ہے

خواہ آسمان سے خواہ زمین سے اس لیے کہ وہ جیسا کہ حلیم ہے ویسا ہی حکیم ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تقریر حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی میر مجلس جلسہ مذاہب لاہور

خدا تعالیٰ کی مہربانی اور اس کا فضل اور اسکی ربوبیت عامہ اور اسکا وہ فضل جو خاص خاص بندوں پر ہوتا ہے اگر انسان کے شامل حال نہ ہے تو اسکا وجود کب رہ سکتا ہے۔ منجملہ اسکی مہربانیوں کے جو ہمپر آجکل عطا فرمائی ہیں علم کے حاصل کرنے کے ذریعے اور اس کے مخازن ہیں جو عطا کیے ہیں۔ کاغذ کا افراط سے بننا مطبعوں کا جاری ہونا۔ پوسٹ آفسوں کی وہ ترقی کہ نہایت ہی کم خرچ پر ہم اپنے خیالات کو دور دراز ممالک میں پہنچا سکتے ہیں۔ پھر تار کا عمدہ انتظام۔ ریل اور جہاز کے ذریعہ سفر میں آسانی یہ تمام انعام الٰہی ہیں اگر انسان اسکا شکر ادا نہیں کرتا تو وہ ضرور عذاب میں گرفتار ہوگا لیکن جو شکر کرتا ہے خدا اسمیں بڑھوتی کرتا ہے۔ میں نے اپنے ابتدائی زمانہ میں دیکھا ہے جو کتابیں ہمیں مشکل سے ملتی تھیں بلکہ جنکے دکھانے میں تامل اور مضائقہ ہوتا تھا تھوڑے زمانہ سے دیکھتے ہیں کہ قسطنطنیہ کی عمدہ عمدہ کتابیں اور ایسا ہی الجزائر مراکش ٹیونس۔ طرابلس اور مصر سے آسانی کے ساتھ گھر بیٹھے پہنچتی ہیں ہر ایک شخص کو چاہیے کہ اس امن کے زمانہ میں اس نعمت الٰہی سے بڑا فائدہ حاصل کرے۔ مذہب میرے نزدیک ایسی چیز ہے کہ کوئی آدمی دنیا میں بغیر قانون کے زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ گورنمنٹ کے قانون کی منشا حقوق کی حفاظت ہے لیکن ان قانونوں پر عمل درآمد کرنے کے لیے جو حدود باندھے گئے ہیں وہ اس قسم کے ہیں کہ ان سے ممکن ہے کہ جرائم کا انسداد ہو لیکن محرکات جرائم کو روکنا ان کے احاطہ سے باہر ہے مثلاً یہ تو ممکن ہے کہ اگر کوئی شخص زنا بالجبر کا مرتکب ہو تو گورنمنٹ اسے سزا دے لیکن بدنظری سے بدصحبتوں سے بدخواہشوں سے جو انسان میں پیدا ہو کر اس سے طرح طرح کے جرائم کراتی ہیں اسکا انسداد قانون گورنمنٹ سے باہر ہے۔ گورنمنٹ کا قانون انھیں نہیں روک سکتا۔ ایسا قانون مذہب ہے جو ان امور سے ہمکو روکتا ہے ہمارے بعض افعال سے وہ ناراض ہوتا ہے اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ یعنی مومن اور فاسق ایک جیسے نہیں اپنے معتقدات اور اعمال کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے کے مساوی نہیں ایسے ہی ان کے اعمال ایک سا نتائج مرتب نہیں کرتے یہ ایک مذہب کا ہی قانون ہے جس نے فاسق کو ان امور کے لیے بھی مجرم ٹھہرا کر اسے ان کے ارتکاب سے روکا ہے جنکا انسداد گورنمنٹ کے قانون سے باہر ہے چنانچہ بعض ایسی سیہ کاریاں بھی ہیں جو اگرچہ عقلاً نقلاً بری نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور انکا

گورنمنٹ اور ایسے ہی سوسائٹی کے دوسرے افراد اُسے کامل بداخلاقی سمجھتے ہیں لیکن نہ تو بذات خود گورنمنٹ بحیثیت گورنمنٹ اور نہ افراد سوسائٹی کوئی حکمی انسداد اسکی بند کرنے کا اپنے پاس رکھتے ہیں مثلاً شرابخواری یا عیاشی جس میں فریقین راضی ہوں ایسے جرائم اور سیہ کاریوں کی انسداد کے لیے اگر کوئی قانون مفید ہوسکتا ہے تو وہ صرف مذہب کا ہی قانون ہے جو نہ صرف ایسے جرائم کو ہی روکتا ہے بلکہ اُن خیالات اور خطرات نفس پر بھی اسکی حکومت ہے جو ان جرائم اور کج اخلاقیوں کے محرک ہوتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب انسان مدنی الطبع ہونیکی صورت میں ایک قانون کا طبعاً اور مجبوراً محتاج ہے تو وہ قانون صرف شریعت الٰہی ہے جسمیں سیاست مدن کی تکمیل کما حقہ ہوسکتی ہے اور یہی شریعت اصلاح انسانی کے لیے اپنے اندر وہ طاقت رکھتی ہے اور اسی شریعت کو انسانی طبیعت پر اسقدر غلبہ ہے جو کسی گورنمنٹ کے قانون کو خواہ اُسمیں کیسی ہی جابرانہ طاقت کیوں نہ ہو نصیب نہیں۔ لہٰذا مذہب میں انسان کو دلچسپی پیدا کرنا گورنمنٹ کے قوانین امن کی حفاظت کی ضرورت سے ہے نہیں بلکہ صدمات سے محفوظ رکھنے کا پہلا باعث ہے اس ضروری چیز کے لیے فکر چاہیے فکر ہے تو ضرورتوں کے موافق سامان بہم پہنچا ہے اسوقت جب ہمیں طرح طرح کے سامان خدا تعالیٰ نے مہیا کردیے ہیں تو گویا خدا تعالیٰ کی ناشکری ہوگی اگر ہم ان خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ اُٹھا کر اُن قوانین پر غور نہ کریں جو خدا کی طرف سے مذہب نے مرتب کرکے ہمارے اعمال اور افعال کو ان کے ماتحت کیا اسلیے نہایت ضروری ہے کہ ہم مذہب کی نگاہبانی کریں اور یہ جلسہ اسلیے قائم کیا گیا ہے اسلیے میرے دل سے یہی دعا ہے کہ جسطرح کل کا دن امن و آرام سے گذرا ویسے ہی آج کا دن بھی گذرے +

تقریر خاتمہ جلسہ مولانا صاحب موصوف

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (اَمَّا بَعْدُ) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ۔

صاحبان اس جلسہ کی ضرورت اور اس کی خوبی پھر حسن و خوبی اور کامل امن وامان کے ساتھ یہ جلسہ ختم ہوا ہے اسکا بیان میرا منشا نہیں کیونکہ ضرورت کا بیان ابتداء جلسہ میں مناسب اور اس کی خوبی کا تذکرہ جلسہ کی بسم اللہ میں پسندیدہ ہے۔ رہا امن وامان کا بیان وہ محتاج بیان نہیں

کیونکہ عیاں راچہ بیاں۔ صاحبان! اس جلسہ کے اغراض پر میں ریویو کرنے کو کھڑا نہیں ہوا کیونکہ اول تو ریویو کرنا اغراض جلسہ سے نہیں دوم میرے جیسے انسان کا یہ کام نہیں سوم اس کام کے لیے بہت بڑے اوقات اور توجہات اور افکار و علوم کی ضرورت ہے۔

صاحبان! میں اس قلیل سے قلیل وقت میں آخری تقریر کرنے کے لیے مامور کیا گیا ہوں میں کھڑے ہوتے حیران تھا کہ کیا کہوں مگر کھڑے ہونے اور حیرانی کے بعد یہی دل میں آگیا کہ قرآن کریم کا خاتمہ جلسہ کے خاتمہ پر سنا دوں۔ قرآن شریف کتب سماویہ کی خاتم اور اسکی یہ سورۃ کہ جسکو مینے کھڑے ہو کر پڑھا ہے قرآن کریم کی خاتم ہے اسلیے اس سورۃ کو بڑی مناسبت ہوگی۔

صاحبان! آپ تعجب کرینگے کہ اس سورۂ شریف میں کسی خاص مذہب پر کوئی خصوصیت سے حملہ نہیں جیسے اس پاک کتاب کی ابتدائی سورۃ سورہ فاتحہ میں ایسی تعلیم اور دعا ہے جو سماوی اور اخلاقی مذاہب میں کسی مذہب پر زد نہیں۔

صاحبان! مینے سورۃ کے پہلے ایک عربی کا ایسا فقرہ پڑھا ہے جسکو اسلام کا اصل اصول یقین کرنا چاہیے یعنی کلمہ طیبہ جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسی چیز جس سے ہمکو کامل محبت۔ کامل تعلق۔ جو کامل مطلوب۔ غایت مقصود ہو۔ اور معبود ہو اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں۔ دنیا میں جس قدر سماوی مذہب آئے سب یہی تعلیم لائے مگر ما دیوں اور اس راہ کے دکھانیوالوں کی اتباع نے آخر ان توحید کے سکھلانے والوں۔ سچا راہ دکھانیوالوں کو اللہ بنالیا مخلوق کو معبود بلکہ ان ما دیوں کو ہی خدا مان بیٹھے ان ہی سے کامل محبت۔ کامل تعلق ان ہی کو کامل مطلوب اور غایۃ مقصود قرار دیا اسواسطے خاتم الانبیاء نے اپنی عبودیت کے اقرار کو اس کلمہ کا لازمی جزو قرار دیدیا تو کہ اُمتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر شرک میں گرفتار نہ ہو کیونکہ جب ما دی کامل کی عبودیت کو ہر وقت توحید کے ساتھ یاد رکھیں گے تو کسی دوسرے کو کیوں معبود بنانے لگے۔ مسلمان لوگ اسی واسطے علی العموم اسطرح شرک میں گرفتار نہیں جسطرح کہ اور اقوام سو اس کلمہ کے پڑھنے سے ایک مومن اپنا کامل مقصود۔ اپنا کامل معبود۔ اپنا کامل مطلوب اپنی غایت ایک ذات کو ٹھہراتا ہے جسے اللہ کہتے ہیں اور مقام شکر یہ ہے کہ عموماً جسقدر تقریریں مختلف مذاہب کیطرف سے جلسہ میں ہوئیں اُنھوں نے بھی اس مطلوب حقیقی کی تھا کہ جس کی شان میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ آیا اور اسکی یہاں سب نے گواہی دی۔

صاحبان! اس کلمہ کے بعد اب میں سورۃ کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں جسکو مینے پڑھا ہے۔
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ غور فرمایے ابتداء میں انسان ایک جسم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا اور جب انسان کا بچہ جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو بجز اسکے کہ اسکو جسمانی ضرورتیں ہیں

مم وہ تین انسان کی جسمانی اخلاقی اور روحانی حالت کا بیان ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ۔

۴ اس سورہ شریف کے ابتداء میں باری تعالیٰ نے تین نام ظاہر فرمائے ہیں اور اس جلسہ کے پہلے سوال میں بھی ایسے ہی تین امور کا ذکر ہے کہ جنکا فرداً فرداً تعلق ان تین ناموں سے ہے مم

پہلے پیش آتی ہیں اور کن علوم کی اُسکو ضرورت ہے ؟ اور بالکل ظاہر ہے کہ اگر مولی کریم رب العالمین انسان کی ربوبیت نفرماوے اور چوسنے بھرنگلنے سے اُتارنے کا علم نہ بخشے پھر ہضم کی نالیاں اس غذا پر تصرف نہ کریں پھر شریانوں میں اور پھیپھڑہ میں خون مصفا ہو کر جزو بدن نہ ہو تو انسانی نشو ونما کا کیا ٹھکانا ہے اسیطرح جسمانی غذائیں ماکی چھاتیوں اور حیوانات کے عمدہ دودھ میسر نہ آویں تو نوزائدہ انسان کی نسبت کسی کامیابی کی کیا اُمید ہو سکتی ہے اسیطرح روشنی اور ہوائیں عمدہ طور پر نہ پہنچیں تو انسان کی جانبری کیونکر ممکن ہے ۔

صاحبان انسان کی اسحالت پر نظر کرو جو اسکو نطفگی کی حالت میں لاحق ہیں اور ہر انسان کے اس کمال واستواری پر نظر کرجاو جس میں وہ اپنے دائرہ کمال کی تکمیل کرتا ہے - اور پھر انصاف سے دیکھو کہ یہ تمام سامان کمالات جسمانیہ اپنے اصول وفروع سے کس نے عطا فرمائے تو آپ بغیر فرمائینگے کہ ایک رَبّ النَّاس جسنے ایکطرف اسکو جذب مواد طیبہ کی طاقتیں عطا فرمائیں دوسری طرف مواد طیبہ کا بے انت خزانہ مہیا فرما دیا چونکہ وہ ذات پاک طیب اور ہر ایک خبث ونجاست سے منزہ ہے انسان کے جسمانی حالات کی ترقی کے لیے بھی اُسنے کیسے کیسے اسباب طیبہ مہیا کر دیے ہیں جب انسان اپنی جسمانی حالت کی ایک حد تک تکمیل کرلیتا ہے تو اسکی عمدہ پرورش کے بعد انسان کی اخلاق کا نشو ونما ہوتا ہے کبھی اسکو انواع واقسام کی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں اسلیے رنگا رنگ خوراک کے لیے قسم قسم کے غلے ۔ پھل پانی - عرق - شیرینیاں - فرشیاں جمع کرتا ہے پہننے کیواسطے اور ایسا ہی گرمی سردی ہوا روشنی بارش اور گرد وغبار سے بچنے کے لیے ایسا ہی محنت ومزدوری عیش وعشرت جنگ وغیرہ وغیرہ حالات مختلفہ کے لیے اسے مختلف اسباب مہیا کرنے پڑتے ہیں اپنے آرام کیخاطر اسکو مکانات بنانے پڑتے ہیں جنہیں انسان کو گرمی - سردی - غبار - بارش کا لحاظ کرنا پڑتا ہے اپنے ضروریات کے واسطے مختلف چیزیں رکھنا چاہتا ہے - قوائے شہوانیہ اور بقائے نسل کے خیال سے اسکو اپنے جوڑہ کی ضرورت پیش آتی ہے - قوائے غضبیہ کو بھی اسے جوش میں لانا پڑتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اسکے اغراض اور مطالب ضروریہ اور صحیحہ میں کوئی روک ڈالتا ہے انسان اپنے مطالب جسمانیہ اور اخلاقیہ میں لگا ہے قوت استقلال وہمت بلند کے ساتھ شجاعت وبہادری سے بھی کام لینا پڑتا ہے اور جب اس کے ہی نوع سے کوئی اسکا مقابلہ کرتا ہے اور اسکے اغراض ومطالب اور شہوات وبلند حوصلگی وکامیابی میں حملہ کرتا ہے تو اسکو بادشاہوں اور حکام کی احتیاج پڑتی ہے اور کبھی حکام میں سے اسکا محتاج الیہ حاکم - قوۃ عدل - انصاف - رحم - شفقت - غور وفکر سے کام نہیں لیتا تو اسکی فطرۃ کو ایک ایسی عظیم الشان طاقت کی طرف جھکنا پڑتا ہے جو سب حکام کا حاکم اور سب بادشاہوں کا بادشاہ اور اسکے حضور گڑگڑاتا ہے کہ میرے دشمنوں اور بے خطا حاکموں کا

تو انصاف کرا ور میرے مطالب و مقاصد میں تو میرا انصاف فرما اس بادشاہ عظیم الشان کا نام ملک الناس ہے۔

نیز خود انسان کے لیے اگرچہ اکثر اوقات ایسے بادشاہ ہوتے ہیں جو اسکو جرائم ارتکاب اور امن کے خلاف ورزی پر سزا دیتے ہیں مگر بعض جگہ اور بعض موقعہ پر یا تو حکام و بادشاہ موجود ہی نہیں ہوتے جیسے بعض مہذب بلاد میں بھی بعض وقت ایسا معاملہ پیش آجاتا ہے اور بعض مکانات اور میدانوں پہاڑوں میں ایسا اتفاق ہوتا ہے اور غیر مہذب بلاد میں تو اکثر ہی ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں نیز ارتکاب جرم کے وقت اگر دنیوی حکام اور ناظم اگرچہ اپنے قوانین کے روسے انسان کی اخلاقی حالت اور انسان کی تمدنی اور شغلی کی حالت پر اثر ڈال سکتے ہیں جیسے اوپر مفصل طور پر میں نے بیان کیا ہے مگر انسان کے اندرونی جوشوں پر جس کے باعث کوئی انسان جرم کا ارتکاب کرتا ہے ایک ایسی زبردست طاقت کا اعتقاد انسان کی اخلاقی حالت کی اصلاح کے لیے ضروری ہے جس کی نگرانی پر یقین انسان کو یہاں تک بڑھا ہوا ہو کہ وہ انسان کے موجودہ یا آیندہ ارادوں کا علم رکھتا ہے اور پھر افعال بد اخلاق کو سزا دیتا ہے اس کا نام اس سورۂ شریف میں مَلِكِ النَّاس ہے. کیا معنے وہ بادشاہ جو انسان کے قوی علمیہ اور عملیہ اور انسان علم و عمل اور انسان کرم اندریوں بلکہ گیان اندریوں پر حکمران ہے پھر جسمانی اخلاقی دونوں حالتوں کی تکمیل کے بعد انسان کی روحانی حالت زور پکڑتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا جسم کمال پر پہونچا اور ہر قسم کی تکالیف سے صحیح و تندرست ہوا تو انسان کو اخلاق فاضلہ کی ضرورت ہے مگر جب جسم و اخلاق دونوں کمال کو پہونچ جاویں تو اب اسکو ابدی اور لازوال آرام کی خواہش پیدا ہوتی ہے اگر بقا کی خواہش انسان کی فطرت و جبلت میں نہ ہوتی تو علم طب کی یہ ترقی ہم نہ دیکھتے جو آج نظر آتی ہے اور مذاہب کی تحقیقات پر کوئی جلسہ نہ ہوتا نیکی اور نیک چلنی کے اصول منضبط نہ ہوتے۔ روح کی کامل محبت اور پورا پیار اور پوری چیز جس میں روح کو کامل طمانیت ہو اس کا نام ہے اسلام میں اَللّٰہ۔ تمام تعلقات سے خواہ جسمانی ہوں اور خواہ اخلاقی اندرونی ہوں یا بیرونی جب انسان کو آرام نہیں ملتا تو یہ نام انسان کے لیے راحت بخش ہے اس کا نام ہے اِلٰهِ النَّاس۔ انسان کا اصل مطلب اور غایت درجہ کا محبوب اور معبود۔

غرض انسان کے تینوں حالتوں جسمانی۔ اخلاقی۔ روحانی میں جو جسم کا مربی قوی کا مربی روح کا مربی ہے اسکو اس سورہ میں رَبِّ النَّاس کہاہے اور وہ ذات جو جسمانی۔ اخلاقی۔ روحانی۔ افعال۔ اقوال۔ اعتقادات پر جزا دیتا ہے تب اس کا نام ہے مَلِكِ النَّاس اور جب وہ انسان کی اصل غرض ذاتی محبوب۔ غایت مقصود بنتا ہے تو اسکو اِلٰهِ النَّاس کہاہے میرے پیارے امام حجۃ الاسلام نے اپنے بینظیر مضمون میں اسکی مفصل بحث فرمادی ہے

اب غور فرماویں جب اس سورۃ میں انسان کی حالتوں کی طرف اشارہ کر کے اللہ کریم نے فرمایا کہ ربّ

بھی میں ہوں اور بادشاہ بھی میں ہوں اور محبوب و مطلوب اور غایت مقصود بھی میں ہی ہوں تو ہر ایک بندہ و مجھ کامل پاک ذات سے پناہ مانگ لو اور کہدو ہاں ہر ایک انسان تم سے کہدے کہ میں زبوبیت اور ضرورت حکومت میں اور ضرورت محبت میں رَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ کی پناہ مانگتا ہوں اور پناہ بھی کس امر میں مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ؁

صاحبان کتنے مختلف مضامین سُنے اور امنیں اس قسم کی باتیں تمھارے کانوں میں پھر دلوں تمھاری آنکھوں پھر تمھارے دلوں تک پہنچیں جنمیں صداقت اور کامل راستبازی ہوگی اور ایسی بھی جنمیں محض کذب و افترا اور دھوکا ہوگا۔ یہ قرآن کی آخری سورۃ کیسی بےنظیر اور لطیف ہے جس میں یہ بیان ہے کہ تم اللہ کریم المولیٰ الرؤف الرحیم رب الناس ملک الناس الہ الناس سے پناہ مانگ لو ان تمام غلطیوں اور وسوسوں سے جو کسی موسوس کے نظارہ یا کلام سے پیدا ہوے ہوں ؁ کیونکہ ان وسوسوں کی مثال ہو بہو اُس تکلیف رساں کُتے کی سی ہے جو آٹھوں پہر کاٹنے کے لیے طیار ہے جسطرح اس کُتے سے بچنے کے لیے ہمکو اُس کے مالک کی پناہ مانگنی ہے اور اگر اُس کا مالک ہمیں بچانا چاہیے اور اس کتے کو دھتکار دے تو کیا مجال کہ وہ کتا کسیکو کاٹ کھاے اسیطرح انسانی یا شیطانی وسوسوں سے بچنا بھی اس وجود کے پناہ سے ہوگا جو کل مخلوقات کا رب مالک اور محبوب ہے۔ وسواس نام ہے ہر ایک ایسی چیز کا جس کا بُرا ہونا ہمسے مخفی رہ گیا ہے اور جسکی بدی سے ہم بیخبر رہے ہے اور اسکی شرارت ہمارے جسم پر یا اخلاق پر یا روحانی معاملات پر بُرا اثر ڈالتی ہو یا ڈالا ہو اور ہمیں اُسکی اطلاع نہ ملی ہو چاہے وہ مخفی چیز ہو چاہے وہ انسان ہاں شیطان بصورت انسان سے میں اپنے لیے آپ یہ دعا مانگتا ہوں اور آپ کو یہ دعا مانگنے کی سفارش کرتا ہوں کہ اس جلسہ میں جو کچھ ہمنے سُنا ہمیں سے جو کچھ ہمارے جسم۔ اخلاق اور روح کے مفید نہ ہو بلکہ کسی نہ کسی مخفی طریق سے وہ نقصان رساں ہو تو اس سے آپ پناہ مانگیں جو ربّ الناس۔ ملک الناس اور اله الناس ہے کیونکہ انہی میں صفات کے ماتحت انسانی جسم۔ اخلاق اور روح کی تکمیل ہوتی ہے اور عرض کرتا ہوں کہ یہ قرآن کی خاتم اب اس جلسہ کا خاتم ہو۔ فقط۔

نظم متعلق جلسہ مذاہب اعظم حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلوی قادیانی ؁

سب حمد خدا کو ہے مسلم | ہے ذات میں سب سے جو مقدم | ہر چیز کو جو کہ پالتا ہے
اجسام میں جان ڈالتا ہے | رحمٰن و رحیم جس کے ہیں نام | روشن ہیں جہاں پہ جس کے سب کام

خالق ہے وہی وہی ہے مالک
وہ باقی ہے اور سب ہیں ہالک
دنیا کو اُسی نے ہے بسایا

یہ باغ اُسی نے ہے لگایا
اجسام کو اُس نے ہے بنایا
روحوں کو وجود میں وہ لایا

ہر ذرہ کیا ہے اُس نے پیدا
اُس نے کیا کُل جہان ہویدا
خود مخفی ہے شان اُسکی ظاہر

ہیں اُسکے ہزار ہا مظاہر
آنکھوں سے نظر نہیں وہ آتا
ہر قدرتیں سب کو ہے دکھاتا

پوشیدہ ہے گو جمال اُس کا
ہر سو ہے عیاں جلال اُس کا
پوشیدہ نہیں ہے اُسکی صنعت

ہے سب پہ محیط اُس کی قدرت
دنیا و تمام اہل دنیا
قدرت کا ہے اُس کی اک نمونا

اور اسسے کروڑ چند بڑھ کر
گلزار کھلا ہے آسمان پر
یہ سورج و چاند اور یہ افلاک

یہ آب و ہوا و آتش و خاک
یہ کوہ و درخت او تارے
قدرت کے ہیں اُسکے سب نظارے

ہے سب کا وہی بنانے والا
پھر انکو اُسی نے ہے سنبھالا
ہے ارض و سما کا وہ ہی بانی

اور کرتا ہے وہ ہی پاسبانی
رزاق وہی وہی ہے قیوم
ہو جاوے جہان ورنہ معدوم

ہے وہ ہی مصوّر زمانہ
اور وہ ہی منور زمانہ
وہ چاہے جسے نہال کردے

چاہے جسے پائمال کردے
ہر عدل سے ہے وہ کام کرتا
انصاف ہے صبح و شام کرتا

ہیں ظلم سے پاک اُسکے سب کام
بیوجہ نہ قہر ہے نہ انعام
تدبیر ہر ایک وہ ہے کرتا

بے وقت نہیں ہے کوئی مرتا
انداز سے کام ہو رہے ہیں
سب اُسکے غلام ہو رہے ہیں

منکر بھی ہیں اسجگہ پہ مائل
جاتے نہیں پیش کچھ دلائل
کر سکتے نہیں وہ کچھ بچارے

ہے وردزباں بلے و آرے
تقدیر ہے جبکہ پیش آتی
تدبیر نہیں ہے پیش جاتی

رستم کا نہ زور پیش جاوے
قاروں کا نہ مال کام آوے
آتے نہیں کام کچھ بھی اسباب

جب آتا ہے حکم رب ارباب
آتے نہیں کام فوج ولشکر
ہو جاتے ہیں پست شاہ کشور

جب آتی ہے سرپہ موت کی فوج
اُسوقت دکھائی ہے عجب موج
جسوقت گلے میں جان آئی

کام آتے نہیں ہیں باپ بھائی
سر پیٹتے ہیں طبیب اپنا
مُنہ نوچتے ہیں غریب اپنا

کوئی نہیں وقت ٹال سکتا
اک دم بھی نہیں سنبھال سکتا
انسان ہے اسجگہ پہ ناچار

ہتھیار ہیں اسجگہ پہ بیکار
اوسان نہ عقل کام آوے
دم نکلے کو کون موڑ لاوے

علت کے لیے ہے کوئی معلول
یہ بات ہے کُل جہاں میں مقبول
اللہ ہی علت العلل ہے

قبضہ میں اُسی کے سب کی کل ہے
بنتے کو بنا رہا وہی ہے
مٹتے کو مٹا رہا وہی ہے

از خود نہیں گردش زمانہ
ہے پھیرتا اُسکو وہ یگانہ
ہے واحد و لاشریک و قادر

ہر جا ہے وہ حاضر اور ناظر
گر ہوتے خدا جہاں میں دو تیں
دنیا میں نہ ہتی کچھ بھی ترتیب

عالم میں بڑا فساد ہوتا
جب انمیں عیاں عناد ہوتا
جب ہوتی خداوں میں لڑائی

ہیں اس کے وجود پر دلائل
ہٹ دھرمی نہیں تو سمجھیں عقید
خود کیونکہ ہے گردش زمانہ
مکڑی بھی ہے اپنا جالا تنتی
اس گولہ کو کس نے یوں بنایا
دن رات جڑے ہیں کیونکہ باہم
ارواح کو ہے تلاش اسکی
مانا ہے جہاں نے جنکو صادق
سچوں کی گواہیاں ہیں مقبول
اس رائے کے ہم نہیں دِوانے
اللہ نے ہم کو عقل بخشی
بخشے ہیں اُسی نے ہمکو اوسان
بخشے ہیں دل و دماغ اسنے
تحریر کی اُس نے بخشی قدرت
صورت میں ہمیں عجب بنایا
القصہ بہت عنایتیں کیں
ہے پشت و پناہ وہ ہمارا
ناقص سے بنے یہ کیونکہ کامل
کی اُسنے عطا اسے حکومت
دولت میں بنایا اسکو قارون
حملہ میں ہے شیر نر سے بڑھ کر
ہے داد و دہش کے وقت حاتم
ایجاد میں اسکو دسترس دی
ایجاد ہر اسنے کیا کیا
ہر علم سے کر دیا خبردار
اور اسکی جزا سزا سنا دی
عرفان کا اپنے نور بخشا

اوہام اگر نہ ہوویں حائل
کل چلتی نہیں بجبر چلائے
دو سوچ کے رائے عاقلانہ
دنیا کا ہے بوجھ کس کے اوپر
رفتار پہ کس نے یوں لگایا
عالم میں جو دیکھتے ہو ترکیب
ہر دل میں ہے بود و باش اسکی
جو راہ میں اسکی مر گئے ہیں
بے شبہ دلیل ہے یہ معقول
مٹی سے ہمیں بنایا اُس نے
اور علم کی روشنی عطا کی
انسان کی زبان اُسنے کھولی
دو ہمکو دیے چراغ اُسنے
جب ہوش و حواس اُسنے بخشے
اور خوب لباس سے سجایا
رحمت کا کیا جب اُسنے سایہ
انسان کا ہے وہی سہارا
کیڑے سے بنایا اسکو انسان
دی اُسنے عجیب شان و شوکت
اسد رحیم بنایا اسکو [illegible]
اس جیسا نہیں کوئی دلاور
شوکت میں سکندر و سلیماں
حاصل کیے تا کہ یہ ترقی
ہے علم و کمال اسکو حاصل
پھر کر دیا اسکو اُسنے مختار
قدرت کے دکھا دیے دلائل
سب سے دیا اسکو بڑھکے رتبا

ایجاد کا چاہیئے ہے موجد
کچھ ہلتا نہیں بجز ہلائے
از خود نہیں کوئی چیز بنتی
اور دیتا ہے کون اسکو چکر
کس طور بنا نظام عالم
صانع کے بغیر ہے یہ ترتیب؟
گذرے ہیں کروڑ اُسکے عاشق
دنیا میں وہ نام کر گئے ہیں
مانے کوئی اسکو یا نہ مانے
قدرت سے ہمیں جلایا اُسنے
اُس نے دیے ہمکو ناک اور کان
کیا خوب سکھائی اُسنے بولی
تقریر کی اُسنے دی ہے طاقت
تب ہمپہ کھلے ہزار عقدے
کھانیکی عجیب نعمتیں دیں
حیوان سے آدمی بنایا
گر فضل نہ ہووے اُسکا شامل
سب کچھ کیا اس کا زیر فرماں
حکمت میں اسے کیا فلاطوں
ماضی کو بھی جانتا ہے یہ دور
شہ زوری میں ہے اگر یہ رستم
ہیبت سے ہے اسکی دیو لرزاں
تم دیکھ رہے ہو حال دنیا
ہر جاہ و جلال اُسکو حاصل
سچ جھوٹ کی راہ بھی دکھا دی
ہر طور کے دیے وسائل
سب اسکو سکھائے اپنے احکام

افراط کے شر سے اسکو روکا
تا اسکو نہ ہو کسی جگہ ہار
غافل نہ ہو تا کہ صبح اور شام
تا دور رہو اس سے کل برائی
جلدی سے نہ اعتراض کرنا
فی الاصل ہیں وہ ہی نیک عادات
احکام خدا اگر نہ ہوتے
یہ جاہ و جلال ہی نہ ہوتا
یہ کارروائیاں نہ ہوتیں
جواب ہے وہ پاس ہی ہوتا
کرتے نہیں جو کہ اسکی طاعت
کرتا ہے فدا یہ جان کس پر
کرتا نہیں وہ تو سخت گیری
تھوڑی سی سزا بھی دے اگر دے
احکام کو توڑنے لگا یہ
برباد نہ ہووے تا کہ دنیا
ظلمت کا چھا گیا جب ہوا نور
پر نور کیا جہان سارا
دنیا کو سبق پڑھائیں حق کا
جھگڑے رہے ان جہانیں باہم
پھر ہوتے رہے ہزاروں تغییر
اب گویا کہ ہو گئے وہ گم صم
دشمن تھا خدا کا اور شقی تھا
تھا مصر کا بادشاہ مغرور
ہوتی رہی دیر تک لڑائی
ظلمت میں گرے بدی کے طالب
پھر ہوتے رہے بہت تماشے

تفریط کی بے خودی سے ٹوکا
جو حکم دیے وہ فائدہ کے
آخر کو ہے جس سے اسکو آرام
بیجا کا نہیں ہے کچھ تحکم
آخر کو ہے ایک روز مرنا
رہتا ہے جو اس کی بندگی میں
انسان شرف کو اپنے کھوتے
تدبیر و ہنر نہ اسکو آتا
یہ اس کی صفائیاں نہ ہوتیں
ان آدمیوں پہ ہائے افسوس
لاتے نہیں جو بجا عبادت
کیوں اسکی طرف نہیں یہ آتا
کرتا ہے ہمیشہ دستگیری
پر اس نے نہ چھوڑی اپنی غفلت
اغیار سے جوڑنے لگا یہ
کی خلق کی اپنی رہنمائی
جب شرک سے خلق ہو گئی کور
ہر قوم میں اس نے بھیجے مرسل
باطل کا مٹائیں شور و غوغا
تھا نوح کا سب سے پہلا جھگڑا
مشہور جہاں ہیں جنکے قصے
اک معرکہ آ کے پڑا سخت
رب ہونے کا آپ مدعی تھا
موسیٰ ہوئے اسکی سمت ماموں
مدت رہی انمیں ہاتھا پائی
موسیٰ کو دیا خدا نے غلبہ
دنیا میں ہوئے ہزاروں قصے

خوب اسکو بنایا واقف کار
باہر نہ ہو تا یہ قاعدہ کے
ہر حکم میں اس کے ہے بھلائی
احکام کو اس کے جانچ لو تم
جو اس نے سکھائی ہیں عبادات
ہرگز نہیں پھنستا گندگی میں
کچھ ان میں کمال ہی نہ ہوتا
جنگل ہی کے گھاس پات کھاتا
یہ عمدہ لباس ہی نہ ہوتا
جو بھاگتے ہیں خدا سے کوسوں
اللہ ہے مہربان اس پر
وہ مہر سے اس کو ہے بلاتا
جب بھول ہوئی معاف کر دے
کرنے لگا یہ غرور و نخوت
پیغامبروں کو اس نے بھیجا
بھولوں کو دوبارہ راہ دکھائی
فی الفور ہی نور کو اتارا
ظاہر کریں تا کہ حق و باطل
آدم سے لگا کے تا بایندم
طوفان نے آ کے جو مٹایا
تاریخیں بھی جنکی ہو گئیں گم
آزار رساں تھا ایک کم بخت
فرعون ہے جس کا نام مشہور
لڑنے لگے آ کے ظلمت و نور
انجام کو نور آیا غالب
قلزم نے مٹایا خوب جھگڑا
آخر جا یہ ہوا ظہور حق کا

جھوٹھوں کو کیا خدا نے جھوٹھا
بیباک ہوئے خراب ہر جا
تاریخ سے جنکی بس خطرناک
تھے مصلح قوم یہ بھی دونو
آخر کو ہوئے مگر وہ ابتر
ہے رام و کرشن کی سدا جے
خلقت کے لیے بھلائی لائے
کرتے رہے انکو یونہی بدنام
ہرگز نہ ڈرے ذرا خدا سے
کتنوں کو کیا جہاں سے ناپید
بعضے رہے ہم کنار غم سے
گردن سے کسی کا سر اُتارا
ہوتی ہے ہمیش لیتے ان بن
پھر ایک زمانہ سخت آیا
اندھیر سے بھر گئی خدائی
فاسد ہوئے جبکہ بحر اور بر
ظلمت نے لیا زمانہ کو گھیر
پیدا ہوا کل جہاں کا مادی
رہتا نہ تھا جبکہ کسی سے دبکے
غارت گر و بیحیا و سفاک
اصنام کی ہو رہی تھی پوجا
وحشت کا نہ تھا کوئی ٹھکانا
مردہ تھے مروت و محبت
جب آیا وہاں ڈرانے والا
کتوں کی طرح سے اسپہ بھونکے
مصلح نے اُٹھائے سخت صدمے
جاری ہوئی ایک عجیب پیکار

سچوں ہی کی آبرو بنائی
ناپاک ہوئے ذلیل و رسوا
تھے رام و کرشن جنمیں سرتاج
تاریخ میں ان کا حال دیکھو
انجام کو ہو گئے جو برباد
ان کے لیے مدحت و ثنا ہے
پر خلق نے کی نہ انکی عزت
پھیلائے جہاں میں اپنے اوہام
ہوتے رہے انبیا پہ حملے
بہتیروں کو جیل میں کیا قید
آتش میں جلا دیا کسی کو
لب تشنہ کسیکو جان سے مارا
ہر ایک نبی مگر برابر
پلٹی گئی کل جہاں کی کایا
بیخوف ہوئے تمام انساں
جب حد سے بڑھا جہاں میں شر
اک مصلح خاص پھر تو آیا
کرنے لگا خلق میں منادی
مرکز جو تھا سب شرارتوں کا
تھے لوگ وہاں کے سخت بیباک
تھا بغض و نفاق انکی دلمیں
عادات تھیں انکی جاہلانہ
قانون کے بے لگام تھے وہ
پیغام خدا سنانے والا
لڑنے لگے نور اور ظلمت
سب ہو گئے برخلاف اسکے
اک سمت سے ہو رہی تھی نرمی

جھوٹھوں پہ پڑی بڑی تباہی
اس ہند میں بھی ہوئی کئی پاک
تھے وقت میں اپنے جو مہاراج
پھر ان کے بھی تھے عدو برابر
دنیا سے گئے ذلیل و ناشاد
ہر قوم میں نیک لوگ آئے
دیتے رہے انکو سخت ذلت
لیتے رہے کام افترا سے
پہنچائے گئے وہ سخت صدمے
بعضوں کو کیا ہلاک سم سے
سولی پہ چڑھا دیا کسیکو
ہے ناصحوں کا جہان دشمن
ہے کوئی مطیع کوئی خود سر
دنیا پہ بڑی اندھیری آئی
ظلمت کا اُٹھا جہاں میں طوفاں
جب چھا گیا کل جہاں پہ اندھیر
اور حق کا کلام ساتھ لایا
اور آیا بھی ملک میں عرب کے
کھاتا جو تھا مال غارتوں کا
ڈر انکو نہ تھا ذرا خدا کا
تھی پھوٹ تو انکے آب و گل میں
تھا سر میں غرور دل میں نخوت
انساں برائے نام تھے وہ
سوتے ہوئے نیند کی جو چونکے
برپا ہوئی ملک میں قیامت
جو اس سے ملا ہوا وہ ناچار
اور دوسری سمت سے تھی گرمی

وہ حق کی طرف بُلا رہا تھا
گمری میں پڑے ہوئے تھے بدکام
سب ہوگئے دینِ حق کے دشمن
ہر وقت تھا انکو خطرۂ جاں
بنتا نہ تھا کوئی انکا حامی
ہر وقت تھے ان کا دل جلاتے
جب نوبت اضطرار آئی
ناچار کیا وطن کو رخصت
نقصان اٹھائے صدہا زیادہ
ایذائیں بہت انھوں نے پائیں
سر بیچ کے دین کو خریدا
اور آج تو ہے کرم خدا کا
شائستہ بنے ہیں آجکل لوگ
دنیا کو ملی بہت پناہیں
انگریز ہیں ہمپہ حکمراں اب
بلبل کیطرح سے چہچہے ہیں
اظہار کا حق کے وقت آیا
کس شوق سے ایک جا ہیں بیٹھے
مذہب کے کھلیں گے آج دفتر
آساں نہیں یاں زباں ہلانا
ورنہ تو فقط کہانی ہوگی
دے اپنی کتاب کا حوالہ
باہر نہ قدم ذرا دھرے وہ
ہو اصل کتاب کی عبارت
قرآن ہو یا کہ ہو وہ انجیل
رکھتا نہ ہو جو کتاب کوئی
اسکو نہیں یہ حجاب حائل

احکام خدا سُنا رہا تھا
دل پر تھی چڑھی ہوئی سیاہی
مانع ہوئے اسکے مثل رہزن
ایذائیں بہت اُٹھا رہے تھے
کرتے تھے سب اسنے بدکلامی
ہر وقت تھی مار دھاڑ اُنپر
دشمن ہوئی انکی کل خدائی
اللہ نے انکو یوں بچایا
پھر ہوگئی راہِ دیں کشادہ
نیکی کو کیا جہاں میں قائم
تب لوگ بنے خدا رسیدہ
آزادی کا آگیا زمانہ
اور دور ہوئے ہزار ہا روگ
ہے ہند میں آج فضلِ باری
دنیا کا نصیب ہو جواں اب
کافور ہوئے ہیں جہل و اوہام
ہے جوش میں اپنا اور پرایا
سب اپنے ہنر کریں گے اظہار
ہر فرقہ کے یہاں کھلیں گے جوہر ۱۳
کچھ کھیل نہیں یہاں پہ آنا
جو بولے کتاب سے وہ بولے
سمجھے جسے حکم وہ خدا کا
ہر بات پہ حکم لاتا جاوے
حاصل ہو ہر اک کو تا بصارت
ہو وید و پران یا کوئی اور
اُس سے نہیں یہ خطاب کوئی
پر بات کرے وہ عاقلانہ

اور ملک تھا مبتلائے اوہام
اور سر پہ سوار تھی تباہی
لاتے تھے نبی پہ جو کہ ایماں
کفار اُنھیں ستا رہے تھے
بیقاعدہ انکو تھے ستاتے
دکھوں کے گرے پہاڑ ان پر
کرنی پڑی انکو گھر سے ہجرت
مکہ سے مدینہ لا بسایا
ہر طور کی زحمتیں اُٹھائیں
چُن چُن کے مٹا دیے ذمائم
وہ وقت تھا سخت ابتلا کا
بھلے گئے وہ خیال جاہلانہ
تحقیق کی کھل گئی ہیں راہیں
پہلی سی نہیں ہے بیقراری
ہر سمت خوشی کے قہقہے ہیں
تحقیق سے لے رہے ہیں سب کام
ہر فرقہ کے آدمی اکٹھے
ہر دین کے آئینگے مددگار
ہر تہذیب سے مارجیت ہوگی
دعوی پہ دلیل لانی ہوگی
کچھ اپنی طرف سے لب نہ کھولے
کچھ اُس سے نہ بیش و کم کرے وہ
ہر حکم یہاں سُنا تا جاوے
پھر اردو میں اسکی ہو وے تفصیل
ہر ایک کا ہو بیاں یہی طور
وہ اپنے بیاں کرے دلائل
تقریر نہ ہووے جاہلانہ

۵ مذہب کی گفتگو بیاں + ہر دین کی ہو گی جستجو یاں + اخلاق و عبادات حیثیت سے ہو گی ۱۴

تہذیب سی خلق سے بیاں ہو
ہندو سے تو وہ باعث تباہی
تقریر میں امن و عافیت ہو
آویگا نظر یہاں خدا آج
یاں شاستروں کی بات ہوگی
تقریر کے واسطے پڑھیں گے
انجیل کے آئے ہیں جو استاد
کل جلسہ کے روبرو دھرینگے
اسلام کا حال یاں کھلے گا
جلدی نہ کرے کوئی خدارا
فرقہ کو کیا ذلیل اس نے
خود اپنے لیئے وبال ہے گا
چوہٹروں میں جو کرتے ہیں منادی
دیہات میں کرتے ہیں جو پھیرے
یاں جہل نہیں نہ کچھ لڑائی
کوئی نہیں یاں کسی کے درپے
گالی نہ یہاں فضول گوئی
مل جل کے کیا ہے سب نے میلہ
عبرت کا نظارہ ہے عزیزو
منظور نہ ہوگا عذر اس کا

ہر ایک کا حال تا عیاں ہو
مخلوق کو جس سے فائدہ ہو
تحریر میں کچھ صلاحیت ہو
ویدوں کے کھلیں گے آج جوہر
کچھ بات نہ واہیات ہوگی
آئیں گے دھرم سبھا کے ممبر
ہیں اپنے کمال میں جو استاد
سچ جھوٹھ کا ہوگا یاں نتارا
قرآن کا جلال یاں کھلے گا
اس جلسہ میں جو کوئی نہ آیا
حب کوئی نہ دی دلیل اسنے
گلیوں میں جو بھرتے ہیں سناتے
یاں آتے نہیں وہ کیوں منادی
یاں آکے سنائیں اپنا کچھ
ہوتی ہے مزہ سے یاں صفائی
موجود ہیں سارے اہل عزت
پھر کس لیئے یاں نہ آئے کوئی
یاں طالب حق ہوئے ہیں جمع
پر لطف تماشا آکے دیکھو
اے ناصر دلفگار خاموش

عالم کی ہو جسمیں خیر خواہی
القصہ کہ نیک قاعدہ ہو
ہے وقت عجب بہار کا آج
تقریر کے یہاں لٹیں کے گوہر
ویدانتی وید کو پڑھیں گے
سب لوگ سنیں گے انکا کچھ
تثلیث کی شرح وہ کرینگے
اللہ کا سب کو ہے سہارا
ہو جائینگے راز آشکارا
اور اپنا بیان کچھ نہ لایا
اسوقت کو مانتہ سے جو دیگا
کس واسطے یاں نہیں وہ آتے
میلوں میں لگاتے ہیں جو ڈیرے
کچھ شور نہیں نہ یاں کوئی شر
عزت سے یہاں مقابلہ ہے
یاں آنے میں کچھ نہیں ہے ذلت
یہ خاص نہیں کسی کا جلسہ
پھر دیکھیے یار ہو دیں کب جمع
جو اس سے ہٹا وہ حق سے بھاگا
کر بند زبان کھول اب گوش